# موجِ عشق

## سعدیہ نواز

## قسط نمبر: 13

میٹنگ کے بعد وہ روم میں اکھٹے ہوئے تھے۔انھیں کسی ضروری امور پر مشاورت کرنی تھی۔فرقان گھومنے والی سربراہی کرسی پر بیٹھا تھا۔شفیق اور یعقوب سامنے والی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔محسن اور محمود سائیڈ صوفے پر براجمان ہوئے تھے۔محمود نے بات کا آغاز کیا تھا۔وہ فرقان کا روم تھا۔

"یہ بہت فائدہ مند ڈیل ہے میرے خیال میں،لوگ پاگل ہیں اس کمپنی سے ڈیل کرنے کے لیے،ابھی آپ نے سنا نامینجر اور باقی امپلائرز کا بھی یہ کہنا ہے،آپ لوگ صرف گورسل کمپنی کے بارے میں سوچیں اس خول سے باہر نکل کر کہ اس کمپنی کا اونر ہمارا کوئی رشتے دار ہے"۔

"جو بدمزگی وہ تیمور کی شادی میں مچا کر گیا ہے اگر اس نے وہاں بھی تم لوگوں کو ذلیل کر دیا تو"۔فرقان نے اپنا نظریہ اس کے سامنے رکھا تھا۔وہ خود بھی ازلان احمد کے پراجیکٹ میں دلچسپی رکھتے تھے لیکن پچھتاوے کا نا جانے وہ کونسا درجہ تھا جو انھیں ان کے بھانجے کا سامنا کرنا سے روک رہا تھا۔

"میں نے اس کے بارے میں کافی معلومات نکلوالیں تھیں،تیمور سے بھی اس کے متعلق پوچھا ہے ازلان کافی اصول پسند آدمی ہے،مارکیٹ میں اس کے پروڈکٹس کی بہت ڈیمانڈ ہے،اور اپنے بزنس میں وہ کسی قسم کا کوئی تعلق ہو خاطر میں نہیں لاتا"۔محمود نے اگلا موقف سامنے رکھا تھا۔وہ ہر حال میں یہ ڈیل کرنا چاہتا تھا۔محسن کے ماتھے پہ بل ابھرے تھے وہ سمجھ نہیں سکا تھا آخر محمود اس معاملے میں اتنا اصرار کیوں کر رہا تھا۔پہلے جب کبھی بھی فرقان کسی پراجیکٹ کو کرنے سے منع کر دیتے تھے تو ہمیشہ ان کی بات کا مان رکھا جاتا تھا مگر اس بار حالت اس

کے مخالف تھے، فرقان کتنی دفعہ اس معاملے کو ختم کرنے کا کہہ چکے تھے مگر محمود ہر بار کوئی نیا موقف سامنے رکھ کر اس پراجیکٹ پر فرقان اور سب کو قائل کرنے کی سعی کر رہا تھا۔یعقوب سرد مہری سے سن رہا تھا۔شفیق اس وقت کوئی مداخلت نہیں کر رہا تھا۔

"آپ اتنی سائیڈ کیوں لے رہے ہیں ازلان کی محمود بھائی، جب ہم مطمئن ہی نہیں ہیں تو پھر اسلام آباد جانے میں ہمیں کیا فائدہ"۔ محسن بولے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"محسن۔۔۔" محمود کا لہجے میں تلخی تھی، محمود نے محسن کی جانب دیکھا تھا گویا آنکھوں ہی آنکھوں میں سمجھا دیا تھا کہ وہ اس سے بڑا ہے ذرہ تمیز سے۔ محسن نے نگاہیں چرا لیں تھیں۔

"ٹھیک ہے اگر محمود اتفاق کرتا ہے تو، تم لوگ جاوگے"۔ فرقان نے حتمی فیصلہ جاری کیا تھا۔

"لیکن بابا۔۔۔۔" محسن نے بولنا چاہا تھا لیکن فرقان کے لحاظ میں چپ رہا تھا۔ مگر دماغ میں ایک الجھن بیٹھ گئی تھی آخر فرقان اس کی بات پہ کیوں متفق ہو گئے۔

"تو پھر تم لوگ آج ہی نکل جاو، بائی روڈ جانے میں مشکل بھی ہو گی ٹائم سے پہنچانا بھی ضروری ہے۔۔۔" چند مزید ضروری ہدایات فرقان کی جانب سے جاری کی گئی تھیں۔ محسن اسلا آباد جانے سے خطر خواہ خوش نہیں تھا وجہ ازلان سے بے وجہ کی چڑ تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

# خوشخبری رائٹرز متوجہ ہوں

ہر لکھاری کا خواب ہوتا ہے کہ اس کی تحریر کتابی صورت میں بھی شائع ہو اور انکی کتاب بک شیلف کی زینت بنے۔ آپ بھی ایک لکھاری ہیں اور اپنی تحریر کو کتابی شکل میں لانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔ ہم آپ کی تحریر کو بہت کم ٹائم اور بہت مناسب قیمت میں آپ کی خواہش کے مطابق بہت عمدہ اور معیاری کوالٹی میں کتابی صورت میں شائع کرنے میں آپ کی مدد کریں گے۔
مزید معلومات کے لئے نیچے دیے گئے ایڈریس پر ابھی رابطہ کریں۔

**Prime Urdu Novels Publications**

**Whatsapp : 03335586927**

**Email : aatish2kx@gmail.com**


"خیریت امی آپ نے بلایا"۔وہ صوفے پر بیٹھا تھا۔وہ دوپہر کا کھانا کھانے کے لیے گھر آیا تھا، عموماً وہ اس وقت کھانہ کھانے گھر نہیں آتا تھا لیکن جس دن سے اسراء آئی تھی ہر روز دوپہر کا کھانہ گھر ہی کھاتا تھا، دوپہر اور شام کا کھانہ ہی وہ تو بہانا جس سے وہ اسراء کو جی بھر کے سامنے بیٹھا دیکھتا تھا۔ کھانے کے بعد وہ سٹڈی میں کچھ ضروری امور پر مطالعہ کر رہا تھا۔نازنین نے ملازمہ سے کہہ کر اسے بلایا تھا۔

"ہاں خیریت ہی ہے، کیوں اب میں تمہیں کسی وجہ سے ہی اپنے پاس بلا سکتی ہوں، ویسے نہیں"۔نازنین نروٹھی ادا سے بولی تھی۔

وہ سیڑھیوں سے اترتی ہوئی خالی لاونج کو دیکھ کر لونگ روم کی جانب بڑھی تھی۔

"کیوں آپ کی وہ چہیتی مس اسرا یعقوب کہاں ہیں"۔اس نے چائے کا کپ اٹھایا تھا اور طنز کے ساتھ چائے کا سپ لیا تھا۔اس نے پھوپھی بھتیجی کے چند دنوں کے اتحاد پر تبصرہ کیا تھا۔عموماً جس دن سے اسراء یعقوب تشریف آور ہوئیں تھیں مسز نازنین احمد انھیں کے ساتھ پائی جاتیں تھیں۔

"ازلان کیوں کہتے ہو ایسے، ویسے جب وہ تمہارے پاس نہیں ہوتی تو منہ بنا رہتا ہے تمہارا، میں دیکھ رہی ہوں میرے ہاتھوں سے نکلتے جا رہے ہو تم، کسی لڑکی ورکی کے چکر میں پھنسنے لگے ہو"۔نازنین نے بھی اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا آخر وہ بھی اس کی ماں تھی۔اس نے آئی بروز کو سکیر لیا تھا۔

"امی۔۔۔"وہ اٹھ کر نازنین کے ساتھ آ بیٹھا تھا۔گردن میں سے بازو حائل کیے تھے۔"لڑکی اور میں، میرے پاس ان فضولیات کے لیے ٹائم نہیں ہے، یو ناؤ، اور اسراء تو دیکھیں اب وہ ہماری مہمان ہے، اس کا ہمیں خیال تو رکھنا چاہیے نا، ٹائم دینا چاہیے اسے، آپ بھی نا، کچھ بھی بولتی رہتی ہیں آپ"۔اس نے نازنین کے گال کو چوما تھا وہ جتنی چاہت اسراء کے لیے رکھتا تھا اس سے بھی کہیں زیادہ اپنی ماں سے محبت کرتا تھا۔گال کے ڈیمپلز میں گہرائی نمایاں ہوئی تھی۔

"ہمم ہمم، تو مستقل لے آؤ"۔ وہ بھی ازلان احمد کی ماں تھیں وہ اگر کہانیاں گھڑنے میں ماہر تھا تو اس کی ٹیچر وہی تھیں اس کی ماں۔

"اس گھر میں مستقل صرف ایک ہی لڑکی آسکتی ہے، اور وہ ہو گی مسز ازلان احمد، اور کوئی نہیں"۔ اس نے خوابوں کا ایک لمبا چھوڑا نقشہ جیسے پل بھر میں کھینچ دیا تھا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں، صرف وہ ہی آئے گی"۔ نازنین نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا۔ ازلان بھی مسکرا دیا تھا۔

"اچھا سنو"۔ نازنین کے لہجے میں سنجیدگی امنڈی تھی۔

"جی"۔ وہی لبیک حاضر ہوں والا انداز تھا۔

"وہ، محمود اور محسن آرہے"۔ وہ متذبذب سا بولی تھی۔

ازلان کے تاثرات بدلے تھے۔ "جانتا ہوں میں، میرے ہی کلائنٹ بن کر آرہے ہیں"۔ اس نے بے تاثر انداز میں جواب دیا تھا۔

اس کے قدم یکدم سے تھمے تھے جیسے کوئی لیس اس کے قدموں کے نیچے چپک کر رہ گئی ہو۔ وہ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکی تھی۔

"تو پھر تم انھیں پک کر لو گے نا"۔نازنین کی خوشی کی انتہا نہیں رہی تھی۔

"نہیں۔۔۔۔ "۔اس نے ایک لمحے میں جواب دیا تھا بنا کسی لحاظ کے۔

"کیوں۔۔؟"۔نازنین کے لہجے میں تلخی امنڈی تھی۔

"کیونکہ امی میرے پاس بہت سے کلائنٹس آتے ہیں اب میں سب کو تو رسیو کرنے نہیں جاتا، بلکہ کسی کو بھی رسیو کرنے نہیں جاتا، ان کو آگے سے خوش آمدیں کرنا میرا کام نہیں ہے"۔اس نے لہجے کو ممکنہ حد تک نارمل رکھا تھا ۔

"لیکن وہ تمہارے کزن ہیں"۔نازنین نے اسے یاد دلایا تھا۔

"تو وہ کوئی بچے نہیں ہیں، بائی روڈ آرہے ہیں، کراچی سے اسلام آباد تک کا راستہ جانتے ہیں تو اس کا گھر کا راستہ بھی خوب آتا ہو گا انھیں"۔وہ کہتے ہوئے صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

وہ دروازے سے سر ٹکا کر رہ گئی تھی۔شاید وہ غلط وقت پر آگئی تھی۔پر جیسے ہی اسے پتہ چلا تھا اس کا بھائی آنے والا ہے وہ مارے خوشی کے پاگل ہو گئی تھی اور جتنی جلد بھی ممکن تھا اسے پھوپھو کے ساتھ شیر کرنا چاہتی تھی۔

اس کی حلق میں کرواہٹ بھر آئی تھی۔وہ نا جانے کیا کیا تواقعات لگائے بیٹھی تھی۔یہ جو ایک ہفتہ اس نے ازلان کے ساتھ ایک گھر میں گزارا تھا اس میں بھی شاید وہ ازلان احمد کو پرکھ نہیں سکی تھی۔آنکھوں میں لالی امنڈی

تھی۔

"لیکن تم لینے جاؤ گے تو انھیں اچھا لگے گا"۔

"میرے لیے وہ اتنے بھی اہم نہیں ہیں کہ ان کی پسند نہ پسند کا خیال رکھوں میں"۔ نگاہوں کے ہر انداز سے نفرت جھلک رہی تھی۔

اسرا کی آنکھ کے آنسوں گال پر ٹپکے تھے۔جو رکے نہیں تھے۔پتہ نہیں اسرا یعقوب کے نگاہوں کے موتیوں کی کوئی حد کیوں نہیں تھی۔

"کس بات کی اتنی چڑ ہے تمہیں ان سے"۔نازنین بھی صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اس نے ہاتھ کی ہتھیلی سے آنسوں پونچھے تھے۔اور پھر لونگ روم میں قدم رکھا تھا۔

"فار گاڈ سیک امی، چڑ نہیں ہے مجھے، میں بس اب ان سے نہیں ملنا چاہتا۔۔۔۔۔۔"۔وہ اشانے اچکاتے ہوئے بنا روکے بول رہا تھا جب اس نے مداخلت کی تھی۔

"وہ محمود بھائی کی کال آئی تھی۔۔۔کچھ دیر پہلے"۔اس نے مشکل سے اپنے آپ کو ضبط کیا تھا۔آنسووں کو خشک کر لیا تھا

"وہ کہہ رہے تھے کہ وہ ہوٹل میں سٹے کریں گے، مم۔۔۔میں بھی وہاں جانا چاہتی ہوں، مجھے بھی آپ چھوڑ دیں

# خوشخبری

اگر آپ لکھ سکتے ہیں اور اپنے اندر کے لکھاری کو باہر لانا چاہتے ہیں تو لکھاری آن لائن میگزین آپ کو اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے بہت اچھا پلیٹ فارم فراہم کرتا ہے۔ لکھاری آن لائن میگزین کا حصہ بنئے اور آج ہی اپنی تحریر ( افسانہ، ناول، ناولٹ، کالم، مضامین، شاعری ) اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ آپ کی کوئی بھی تحریر ضائع نہیں کی جائے گی اور ایک ہفتے کے اندر ہمارے سب ویب بلاگز ( ویب سائٹس ) اور سوشل میڈیا گروپس اور پیجز پر پبلش کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے ابھی رابطہ کریں۔

Wats app No :- 03335586927

Email address :- aatish2kx@gmail.com

Facebook ID :- www.facebook.com/aatish2k11

Facebook Group :- FAMOUS URDU NOVELS AND DIGEST

SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS, NOVELS DISCUESSION

وہیں"۔ایک اور آنسوں اس کی گال پہ ٹپکا تھا۔وہ چاہتے ہوئے بھی اپنے موتیوں کو روک نہیں سکی تھی۔

"میں رسیو کرلوں گا انھیں"۔لہجہ قدرے دھیما تھا۔وہ کہتے ہی لمبے لمبے ڈگ بھرتا لاونج سے باہر نکل گیا تھا۔وہ اسراء کے ٹپکنے والے آنسو پہ ہی سمجھ گیا تھا کہ نہ تو محمود نے اسے کال کی ہے اور نہ ہی کسی ہوٹل میں سٹے ہونے والا ہے وہ بس ان باتوں کی اڑ میں کہہ رہی تھی جو اس نے نازنین اور اس کی سنی تھیں۔ناجانے وہ کیوں بول رہا تھا اتنا۔

"اسراء۔۔۔"۔وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے لاونج سے باہر نکلی تھی نازنین نے اسے روکنا چاہا تھا پر وہ رکی نہیں تھی اب وہ مزید رک کر مضبوط بننے کی اداکاری نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ بیڈ پر اوندھی لیٹی تھی۔کالے بال کمرے پر بکھرے تھے۔وہ ازلان کی باتوں کو مفہوم ہی نہیں دے پا رہی تھی ۔اور اگر کوئی الفاظ اس کی سماعتوں میں آتے بھی تو وہ ان پر یقین نہیں کرنا چاہتی تھی۔ناجانے ازلان احمد کس طبیعت کا مالک ہے،کسی کے لیے اتنی نرمی،کسی کے لیے اتنی نفرت،کسی کے آگے وہ صرف جیتنا چاہتا ہے اور اس کے آگے وہ ہار جاتا ہے پر ساتھ ہی اسے بھی ہرا دیتا ہے۔کبھی ایسا بھی تو ہو کہ وہ اسے جیتا کر ہرے اور کبھی ایسا

بھی تو ہو کہ وہ اس کے لیے کسی کے سامنے ہرے ہمیشہ اس کے سامنے ہی کیوں اسے ساتھ ہرا کر ہارے۔۔۔۔۔۔

اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔اب وہ سیدھی ہو گئی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں اسراء، وہ کیوں ہارے تمہارے یا جیتنا چھوڑے تمہارے لیے، کبھی کسی بات کا اعتراف بھی کیا ہے اس نے"۔ایک اور آنسوں آنکھ کے سرے سے ٹپکا تھا۔

"اسرا باجی۔۔۔۔"۔ملازمہ ایک دھرلے سے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔"وہ۔۔وہ نازنین خالہ بے ہوش ہو گئی ہیں"۔

"کیا۔۔۔"وہ یکدم سے بیڈ سے اٹھی تھی۔۔۔۔اور ننگے پاوں نازنین کے کمرے کی جانب دوڑی تھی۔دماغ کے سارے خیلات پل بھر میں ہوا ہو گئے تھے

نازنین صوفے پہ لڑکھراتے سر کے ساتھ بے ہوش پڑی تھی۔اس نے نازنین کے سر کو اپنے ہاتھوں کے حصار میں لیا تھا اور تقریباً اسے جھنجوڑا تھا پر نازنین کچھ نہیں سن رہی تھی، کچھ نہیں بول رہی تھی، کچھ نہیں کہہ رہی تھی ۔اس کی آنکھوں سے ہزاروں قطار آنسوں بہنے لگے تھے۔وہ مشکل حالات کو ڈیل کرنا نہیں جانتی تھی، وہ مشکلات سے ڈرتی تھی، وہ کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی تھی پر کسی کی تکالیف کیسے دور ہو سکتی ہیں وہ نرم و نازک لڑکی یہ بھی نہیں جانتی تھی جیسے وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اب وہ کیا کرے گی۔

"ففون۔۔۔فون لاو میرا"۔ملازمہ اس کا فون لینے کے لیے اس کے کمرے میں گئی تھی اور اگلے ہی چند پل میں فون اس کے ہاتھ میں تھا۔پر نمبر کس کا ملائے۔یعقوب کو پر وہ تو کراچی میں ہیں، تیمور ترکی میں، اور محمود وہ تو ابھی کراچی سے بہت دور ہونگے۔۔۔سبین بھی اس کی مدد نہیں کر سکتی تھی، ازلان۔۔۔اس نے فون کو ٹٹولا تھا۔۔۔ ازلان کا تو نمبر ہی نہیں تھا اس کے پاس کیا کرے گی وہ۔۔نازنین ویسے ہی بے ہوش پڑی تھی۔ہر سوال کے شروع میں کیا تھا اور اختتام میں کوئی جواب نہیں تھا وہ خود کو بے بس محسوس کرنے لگی تھی کون تھا وہ جو اس کا خضر بن کر رہنمائی کرے۔۔۔۔۔۔۔۔۔کیا۔۔کیا۔۔۔کیا۔

"اچھا باہر کوئی گاری کھڑی ہے"۔اچانک سے اسے یاد آیا تھا کہ اسے کار کی ڈرائیونگ بھی آتی ہے۔

"جی بی بی جی دو کاریں کھڑی ہیں باہر"۔ملازمہ نے مسلہ حل کر دیا تھا۔

"چابی۔۔۔"

ملازمہ نے نازنین کے بیڈ سائیڈ ڈرور میں سے نکال کر چابی اس کے ہاتھ میں دی تھی۔اس نے اپنے آنسوں پونچھے تھے اب اسے اس مسلے سے خود ہی نپٹنا تھا ہر کیا میں وہ یہ جواب ٹٹول چکی تھی۔خود ہی سب کرنا تھا۔

"نیچے لے کر آو پھوپھو کو، سدرہ (وہ سترہ سالہ ایک لڑکی تھی جو بارہویں جماعت میں پڑھتی تھی وہ ازلان کے گھر ہی رہتی تھی) کی مدد لے لو۔۔۔"وہ کہتے ہی دروازے کی طرف لپکی تھی اور سیڑھیوں سے ہوتے ہوئے پورچ

میں نکلی تھی۔ آنسوں کا سلسلہ ابھی بھی جاری تھا پر وہ ابھی ہر چیز سے بے خبر تھی۔ کار کی ڈرائیونگ کا سیٹ کا دروازہ کھولا اور ایک ہی مسلہ اس کے سامنے تھا۔ ہاسپٹل کے پتے کا ۔۔۔

اسلام آباد سے تو وہ بالکل انجان تھی پر فون اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے دماغ نئی تجویز بھی پھٹ پڑی تھی ۔۔ گوگل، اس میں تو ہر مسلے کا حل ہوتا ہے اس نے اسلام آباد کے ہر ہسپٹل کی لکیشن کو لمحے بھر میں ٹٹول لیا تھا اور نزدیک ترین ہاسپٹل کو لکیٹ بھی کر لیا تھا۔۔ ملازمہ نے نازنین کو کار میں ڈال دیا تھا۔ اس نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا تھا۔ نازنین بے سود بے ہوش پڑی تھی۔ کار ڈرائیونگ پاتھ پر لانے میں اسے صرف دو منٹ لگے تھے اور پھر کار ہوائی جہاز کی مانند سڑک پہ اڑ رہی تھی۔ نا جانے اسرا یعقوب میں اتنا حوصلہ کہاں سے آگیا تھا پر وہ مضبوطی سے کار پہ حکم چلا رہی تھی۔

یا شاید جو آزمائش ڈالتا ہے تو وہ اس کو برداشت کرنے کا حوصلہ بھی دے ہی دیتا ہے، کوئی کبھی بھی آزمائشوں سے نہیں مرا۔ کیونکہ یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ میں اپنے بندے پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ ڈالتا ہی نہیں۔ تو پھر وہ کیسے اپنے وعدے سے مکر سکتا ہے وعدے سے مکر جانا تو اس کی ذات میں شامل ہی نہیں۔ تو اسراء یعقوب پر پھر وہ کیسے اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ ڈال سکتا تھا۔ مگر یہ تمام جملے اس کے ذہن میں نہیں آئے تھے، وہ اللہ کو اتنا سوچتی ہی نہیں تھی کہ اپنی زندگی کہ ہر معاملے میں کوئی حکمت تلاش کرے۔۔۔۔ اس کی نظر میں اللہ اچھے عمال پر جنت اور بُرے عمال پہ دوزخ کی تقسیم کرنے والی ایک ہستی تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسرا کو نکلے ہوئے چند منٹ ہی ہوئے تھے۔ ملازمہ نے اپنے فون سے ازلان کو کال کی تھی "ٹوں ٹوں۔۔۔"

"ہیلو سدرہ بیٹا۔۔"کال پک کر لی گئی تھی۔

"ہیلو ازلان بھائی وہ نازنین خالہ۔۔"

"ہاں۔۔۔۔۔"۔وہ مضطرب ہوا تھا۔

"وہ بے ہوش ہو گئیں تھیں، اسرا باجی انھیں ہاسپٹل لے کر گئیں ہیں"۔ سدرہ نے ایک ہی جملے میں ازلان کے پیروں کی زمین اور سر آسمان سر کا دیا تھا۔

"کونسے ہاسپٹل۔۔"۔

"یہ تو مجھے نہیں پتہ بھائی، لیکن وہ بہت رو رہی تھیں پتہ نہیں اس وقت کیا کر ہی ہوں گیں"۔ ملازمہ نے اسراء کی کیفیت کو بیان کر دیا تھا۔ ازلان نے اب ایک اور لمحہ ضائع نہیں کیا تھا۔ اور کچھ سوچنے لگا تھا۔ شاید ہاسپٹل کا پتہ۔

وہ اپنا لیپ ٹاپ ٹٹولنے لگا تھا۔ ٹچ پیڈ پر اس کی تشہد کی انگلی برق رفتاری سے دائیں بائیں سفر کر رہی تھی۔۔۔۔۔ نیلی پیلی لائنز ادھر اُدھر پھیلی ہوئیں تھیں اور ایک جگہ ریڈ سا گول دائرہ بار بار جل بج رہا تھا

وہ روم کے ویٹنگ ائریا میں ادھر اُدھر ٹہل رہی تھی۔ آنکھیں ناک گال تینوں لال ہو چکی تھیں۔ فون دیوار کے ساتھ لگی تین کرسیوں میں سے وسط میں رکھی کرسی پر پڑا تھا جس سے بالکل لاپروا تھی۔ کوئی پرس بیگ، کارڈ اس کے پاس سوائے فون کے اور کچھ نہیں تھا کوئی پیسے بھی نہیں۔ اس نے گھر سے نکلتے وقت یہ سوچا نہیں تھا کہ ہاسپٹل میں پیسوں کی بھی ضرورت ہو سکتی ہے۔ کوئی لائحہ عمل تیار نہیں کیا تھا۔ وہ ہمیشہ ایسے ہی کرتی تھی وہ جب دعا کی طبیعت کے لیے اسلام آباد آئی تھی تو اس نے دعا کے انجام کا نہیں سوچا تھا، وہ ہمیشہ ازلان سے ملنے کا سوچتی تھی پر اس سے ملنے کے بعد کیا ہو گا اس نے کبھی تصور نہیں کیا تھا، اس نے ازلان کی چاہت میں جس موجِ عشق میں پیر ڈبویا تھا اس میں آنے والے طوفان کیسے ہونگے اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ نہ ہی یہ سوچا تھا کہ یہ دنیا خود ایک موج ہے اس کے ختم ہوتے ہی وہ کیا کرے گی گویا اسراء یعقوب اس بے عقل حیوان کی طرح تھی جو کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا تبھی تو وہ ایسی تھی اگر بے عقل نہ ہوتی تو ایسی ہرگز نہ ہوتی کم سے کم اپنے آپ کو تو پہچانتی۔۔۔۔۔۔

ازلان دس منٹ میں آفیس سے سیدھا ہاسپٹل آیا تھا۔ ہاسپٹل کا پتہ اسے مل گیا تھا شاید اس کے اندازے سے یا اس کی مہارت سے پر اسے مل گیا تھا اسراء اس سے چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔ ریسپشنیٹ گرل سے روم نمبر پوچھ کر وہ وہاں پہنچا تھا وہ ویسے ہی ٹہل رہی تھی۔ ایک ہاتھ کولہوں پر رکھے اور ایک ہاتھ منہ میں ٹھونسے ناخن کھاتی۔

ناجانے وہ کتنے ہی آنسوں بہاچکی تھی اور کتنے اور بہانے والی تھی۔پر اس وقت اسے کسی کی پرواہ نہیں تھی سوائے اپنی ماں کے،باپ وہ کھو چکا تھا اب ماں کو کچھ ہو جائے اس سے برادشت ہونے والا نہیں تھا۔

اس کی نظر ازلان کی طرف پڑی تھی۔نگاہوں سے نگاہوں کے تضاد کے ساتھ ہی اس کے قدم اس کی جانب بڑھے تھے۔وہ بھی اسی کی طرف آرہا تھا۔

"کیاہوا امی کو"۔اس نے سوال پوچھنے میں پہل کی تھی۔

"مم۔۔مہ۔۔۔مجھے نہیں پتہ،یہ۔۔۔للوگ مجھے کچھ بتا نہیں رہے،مے۔۔ری تو لکچھ سمجھ بھی نہیں آرہا مم میں کیا کروں"۔وہ ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔اس کا حلق تقریباخشک ہو چکا تھا اور اب تو وہ اپنے سامنے سب کچھ گھومتا ہوا محسوس کرنے لگی تھی۔

"میں پوچھتا ہوں۔۔۔"کہہ کر ابھی وہ دو قدم ہی چلا تھا جب روم سے ڈاکٹر نکلی تھی اور اسی کی طرف آئی تھی۔

" مس نازنین کے ساتھ آپ ہیں"۔ڈاکٹر نے سوال کیا تھا۔

"جی میں ان کا بیٹا ہوں کیسی ہیں اب وہ"۔اس میں ایک لمحے کا بھی صبر نہیں تھا کہ وہ نازنین کو گلے سے لگائے اس کا ماتھا چومے اس کے گال چومے۔اس کے پاؤں دبائے۔۔۔

وہ دیوار کے سہارے پہ چلتی کرسی تک آئی تھی اور پھر بیٹھ گئی تھی۔ سب کچھ دھندلا ہو رہا تھا ہر چیز گہری ہو رہی تھی سب کچھ سیر اب لگنے لگا تھا۔

"جی اب وہ ٹھیک ہیں، ابھی وہ ہوش میں نہیں ہیں ہم نے انھیں انجیکشن دے دیا ہے"۔

آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں تھیں۔ اس کا وجود اس کا ساتھ چھوڑنے لگا تھا۔ وہ حلق سے آواز نہیں نکال پا رہی تھی۔

"ایک دو گھنٹہ ہم انھیں انڈر ابزرویشن رکھیں گے پھر آپ انھیں گھر لے جا سکتے ہیں، امپورٹینٹ ڈسکشن کے لیے آپ تھوڑی دیر بعد میرے روم میں آئیں گا پلیز"۔

اس کی آنکھیں اب مند چکیں تھیں سر کرسی کی پشت پہ لڑھک رہا تھا۔ گویا وہ اپنے اعصاب بے قابو کر چکی تھی۔

اس نے سرسری سا پیچھے مڑ کر دیکھا تھا اور پھر کرسی پر خشک ہونٹوں والی اسراء کو بغور دیکھا تھا۔ جو ہونٹوں کو جنبش دے رہی تھی پر کچھ بول نہیں پا رہی تھی۔ پف کے بال اس کی پیشانی کو ڈھانپ رہے تھے اور چند لمبی لٹیں اس کے لبوں کو چھو رہی تھیں۔

آنسوؤں سے دھل جانے کے بعد چہرا کتنا ہی پُرکشش لگتا ہے یہ ازلان اسراء کے متاثر کن چہرے کو دیکھ کر اندازہ لگا سکتا تھا۔ ایک لمحے کے لیے وہ اپنے سارے غم بھول چکا تھا۔ مندی آنکھوں میں وہ کتنی پیاری لگتی ہے۔ اس کے

گال کے ڈیمپل گہرے ہوئے تھے۔ چھوٹی سی ناک، چھوٹی سی آنکھیں، چھوٹے سے گلابی ہونٹ، چھوٹی سی پیشانی، سفید رنگ

وہ کیوں تھی اتنی حسین یا شاید اسے ہی لگتی تھی پر وہ کچھ خاص تو تھی۔ اس دن وہ کالی شلوار قمیض میں ملبوس تھی اور کالے رنگ میں اس کا سفید رنگ اور بھی نمایاں تھا۔۔

دوپٹہ تو اس کے پاس کبھی ہوتا ہی نہیں تھا۔ گلے میں وہی گلڈ کی چین میں گول سا ایک سفید ڈائمانڈ۔۔۔ بھلا ہیرے کو ہیرا پہننے کی کیا ضرورت۔۔ وہ پھر سے مسکرایا تھا۔ اتنی حسین لڑکی کو کبھی وہ اپنے ماموں کی چڑ میں قربان کرنے والا تھا۔ اس کے لبوں کو چھوتے بالوں کو اپنی دو انگلیوں سے اُس کی کنپٹی کے پیچھے کیا تھا جس پہ اُس نے کوئی حرکت نہیں کی تھی اور تب ہی اس پہ یہ راز کھولا تھا کہ وہ تو نا جانے کب سے اپنے اعصاب سے بے خبر بے ہوش پڑی تھی۔۔

"اسراء"۔ اس نے اس کے گال تھپتھپائے تھے پر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ تب ہی اس نے ایمرجنسی نرس سے ایک بوتل پانی منگوا کر اس کے بے تاثر چہرے پر چھڑکی تھی تو اُس نے انکھیں کھولی تھیں۔ نرس نے اسے پانی پلانے کا مشورہ دیا تھا ازلان نے بوتل جب اس کے لبوں سے لگائی تو وہ آف لڑکی پوری بوتل اپنے اندر انڈیلنے سے پہلے رکی نہیں تھی۔ گویا وہ پانی نہ پینے کی وجہ سے چکرا کر گر گئی تھی۔

"ٹھیک ہو۔۔" وہ تھوڑا سنبھلی تو اس نے پوچھا تھا۔

"پھوپھو۔۔کیسی ہیں"۔اس نے جس رفتار سے پانی پیا تھا اس کا سانس ابھی بھی پھولا ہوا تھا۔

"وہ ٹھیک ہیں،ڈاکٹر سے بات ہو گئی ہے میری،ہم تھوڑی دیر تک گھر لے جائیں گے انھیں"۔ازلان نے مکمل وضاحت دے دی تھی۔

اس نے گہری سانس لیتے ہوئے سر پھر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا تھا جیسے کہ کوئی بڑا محاز جیتا ہو اور اب وہ مکمل آرام چاہتی ہو۔اس کی آنکھ کے سرے سے آنسو ٹپکا تھا۔ازلان کچھ حیران ہوا تھا۔

"کیا ہوا،امی ٹھیک ہیں اب"۔ازلان ایک بار پھر اسے تسلی دی تھی۔

"کیا ہوتا اگر اس دن دعا بھی بچ جاتی تو،زندہ ہوتی آج اگر"۔ناجانے اس لمحے اسے دعا کی یاد کیوں آئی تھی۔

ازلان کچھ کہہ نہیں سکا تھا۔دعا کو تو وہ خود بھی بہت مس کرتا تھا لیکن وہ اسراء کی طرح شکوے نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اسے اللہ کے فیصلوں پر کوئی احتراز نہیں ہوتا تھا وہ صرف اس کی راضا میں راضا رہنے کا عادی تھا ہر حال میں خوش،صبر کرنے والا۔۔۔۔۔

اس نے بھی سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا اور اسراء کی مانند آنکھیں موند لیں تھیں۔۔۔اگر یہ ہوتا تو کیا ہوتا۔۔۔؟ یہ سوال ناجانے ہماری زندگی میں کیوں ہمیشہ آجاتا ہے اور پھر حاصل ہوئی خوشی کو بھی ختم کر دیتا ہے۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ڈاکٹر کے آفیس سے نکلا تھا۔ نازنین کا معمولی سا بلڈ پریشر شوٹ کر گیا تھا۔ ڈاکٹر نے ضرورت کے مطابق ادویات میں کچھ ردوبدل کر دیا تھا۔ اسراء آفیس کے باہر ہی ویٹ کر رہی تھی جو اسے آفیس سے نکلتا دیکھ کر اس کی طرف لپکی تھی۔۔۔ اطلاع ملنے پر اسامہ بھی ہاسپٹل پہنچ گیا تھا۔

"کیا کہا ڈاکٹر نے"۔ آواز میں تھوڑا وزن تھا جو یقیناً اس کے رونے کی وجہ سے تھا۔

"سٹریس کی وجہ سے بلڈ پریشر شوٹ کر گیا تھا، یقیناً وہ صبح والی بحث پہ پریشان ہو نگیں"۔

"تو تمہیں ایسی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے نا ازلان جو ان کو پریشان کر دیں، تم نے دیکھا ہے کبھی انھیں غور سے، وہ اب برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتیں، تم نا کیا کرو وہ کام جو انھیں ہرٹ کریں، ان کی زندگی ہر ضد اور آنا سے زیادہ اہم ہے"۔ وہ یکدم اس پر پھٹ پڑی تھی۔ اس نے ازلان کے منہ کھولا طمانچہ مارا تھا۔ اسامہ کے ہونٹوں سے ہنسی پھسلی تھی جبکہ ازلان حیران ہو کر رہ گیا تھا۔ اور کسی کے سامنے تو اسراء یعقوب کی زبان نہیں چلتی صرف وہ تھا جس پہ وہ ساری بھڑاس نکالتی تھی۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے روم میں نازنین کے پاس چلی گئی تھی۔

"کسی اور کے سامنے تو کچھ بولتی نہیں، لیکن میرے ساتھ سارے حساب برابر کرتی ہے"۔ وہ اس کے جاتے ہی اسامہ پہ پھٹ پڑا تھا۔

"ہمم۔۔۔۔بیویاں ایسی ہی ہوتی ہیں"۔اسامہ نے ہنسی کو دباتے ہوئے کہا تھا۔

"بکواس نہ کیا کر۔۔۔چل"۔

وہ دونوں بھی نازنین کے کمرے میں آ گئے تھے۔اسراء نازنین کے پہلو میں بیٹھی محوِ گفتگو تھی۔سامان ویسے ہی بکھرا پڑا تھا جو ازلان احمد کو ہی سمیٹنا تھا۔

"آپ نے تو ڈرا ہی دیا تھا آنٹی"۔اسامہ نے آتے ہی کہا تھا۔ازلان سامان کو سمیٹنے لگا تھا۔

"یہ تو اب معمول بن چکا ہے، طبیعت تو آگے پیچھے ہوتی رہتی ہے میری"۔نازنین کراہیں لیتی اٹھی تھی۔"لیکن تم اسے کیوں نہیں سمجھاتے، کیوں چاہتا ہے کہ میں اسے تھپڑ لگا کر ہی سیدھا کروں"۔

اسامہ کھکھلا اٹھا تھا۔ازلان کے ماتھے پہ بل ابھرے تھے۔اسراء بھی مسکرا دی تھی۔

"بات ہو گئی تھی میری محمود بھائی سے، کسی ہوٹل میں سٹے نہیں کریں گے وہ، رسیو کرنے کا بھی کہا تھا لیکن محمود بھائی نے منع کر دیا وہ کہہ رہے تھے ایڈریس میسج کر دو خود ہی پہنچ جائیں گے، مجھے آنے کی ضرورت نہیں"۔ازلان نے وضاحت پیش کی تھی پر نروٹھی اداسے۔تھوڑا بہت خفا تو وہ بھی تھا نازنین سے۔کیوں وہ ان کا جوگ لیے بیٹھی تھی حالانکہ وہ تو اسے کبھی بھی اتنی اہمیت نہیں دیتے۔اسرا نے ایک بار نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور ساتھ ہی چرا لیں تھیں۔آج بھی وہ ہرا تھا پر ساتھ ہی اسے بھی ہرایا تھا۔

نازنین نے اسراء کے بالوں پہ نرم ہاتھ پھیرا تھا۔وہ جواباً مسکرادی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نازنین ڈسچارج ہو کر گھر آچکی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد محمود اور محسن بھی آنے والے تھے۔وہ خوش تھی جیسے اس دن میں کچھ ہوا ہی نہ ہو۔سب کچھ لمحے بھر میں فتنا خیز ہوا اور پھر لمحے بھر میں اتنا نارمل بھی ہو گیا تھا۔ اسراء کمرے میں چینج کرنے کے لیے گئی تھی۔اس دن اس نے لال گھٹنوں تک لمبی قمیض اور لال کپڑی پہن رکھی تھی۔نیٹ کے ریڈ بازوں میں اس کے سفید بازو کافی متاثر کن لگ رہے تھے۔

دن تقریباً ڈھل چکا تھا۔اور اس کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو رہا تھا۔کتنی دیر اور کتنی دیر یہ سوال اس کی ہر سانس کے ساتھ سینے سے پنپ رہا تھا۔پیروں میں گڈن سلیپرز پہن رکھے تھے۔بال کمر پہ بکھرے تھے۔شیشے کی سی بوری چمکدار آنکھیں،اور سفید نرم ملائی کے سے چہرے سے رونے کے تمام آثار کہیں ماند پڑ گئے تھے اس کی خوشی کے آگے۔ آج بھی وہ لال گلاب لگ رہی تھی۔کار کا ہرن بجا تھا تو اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ کار محمود کی ہی ہو گی۔ڈریسنگ ٹیبل سے فون اٹھاتی ہوئی وہ باہر کی جانب لپکی تھی اور پھر سیڑھیاں اتر رہی تھی۔سیڑھیاں عبور کرنے کے بعد وہ لاونج میں پہنچی تھی۔ محمود اس کے سامنے تھا۔پھوپھو نے گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا تھا۔ محسن تک تو اس کی نگاہیں گئی ہی نہیں تھیں۔اس کی دوڑ کی رفتار میں کمی ہوئی تھی وہ ایک جھٹکے سے محمود کے سینے

سے لپٹی تھی۔ محمود اور یعقوب کی ڈھال کبھی کبھار اسے ایک جیسی ہی معلوم ہوتی تھی جیسے کہ آج ہوئی تھی۔ دن میں ان گنت دفعہ جس بھائی سے وہ چمٹا کرتی تھی اس دن پورے ایک ہفتے کے بعد چمٹی تھی۔ وہ سینے پہ ہاتھ باندھے پیچھے خاموش کھڑا تھا۔ اس کی امی اور بیوی دونوں ہی بھائیوں کی نا جانے اتنی دیوانی کیوں تھیں ۔ جب اسراء کا اشتیاق ٹوٹا تھا تو وہ بھی محمود سے مصافحہ کرتے ہوئے ملا تھا، محسن کے لیے بھی اس کا رویہ منفرد نہیں تھا۔

میل ملاپ کے بعد اب وہ کھانے کی میز پر بیٹھے تھے۔ کھانا سب کی پلیٹوں میں سرف کر گیا تھا۔ ہلکی پھلکی گپ شپ کا سلسلہ بھی رواں تھا۔ اسرا آج خوش تھی۔ محسن بار بار ازلان کو دیکھ رہا تھا جیسے اپنا اور اس کا مقابلہ کر رہا ہو اور ازلان کبھی محمود اور کبھی اسراء کو دیکھ رہا تھا۔

محسن اس کے لیے کوئی اتنا بھی اہم نہیں تھا۔

"جب سے یہاں آئی ہے آج اس کے چہرے پہ خوشی آئی ہے، ورنہ تو ہر وقت خاموش چُپ چُپ سی رہتی تھی، پہلے والی اسراء لگتی ہی نہیں تھی مجھے تو یہ"۔ نازنین نے سب سے پہلے طنز کیا تھا۔

ازلان نے پانی کا گلاس میز سے اٹھایا تھا۔ "آج محترمہ کے بھائی صاحب جو ہیں یہاں پہ"۔ اس نے پانی کا گلاس لبوں سے لگا لیا تھا۔

کھانے کے درمیاں میٹھی کڑوی، گیلے شکوے، شکایتں اور پھوپھی بھتیجوں میں چند پرانی باتوں پر بحث بھی ہوتی رہی تھی۔ ازلان کو سوائے محسن کے بھر وقت وہاں سب کچھ ٹھیک لگ رہا تھا پتہ نہیں محسن وہاں کیوں تھا صرف ایک وہ انسان تھا جو اسے کبھی برداشت نہیں ہوتا تھا نہ اسراء کے قریب نہ اسراء کی باتوں میں۔

پر وہ تھوڑا مطمئین بھی تھا محسن کو نظروں کے سامنے رکھنے کے لیے ہی تو اس نے یہ پراجیکٹ والا سارا ڈرامہ رچایا تھا۔ اور وہ اب ہو رہا تھا سب اچھا تھا۔

اس کے اس پراجیکٹ سے محسن کو بھر وقت فائدہ ہونے والا تھا اسے بھی یہ فائدہ ہونے والا تھا کہ اس کا رقیب اس کی نگاہوں کے سامنے رہے گا لیکن ان تمام میں سب سے زیادہ تراب بلڈرز کے نام پہ بنی کمپنی کو ہونے والا تھا اور وہ خوش تھا آخر کل کو تو وہ سب اسراء کا ہی تو تھا۔ اسے بزنس کا لالچ تھا نہ پیسے کا اس نے تو اپنا عربوں کا بزنس اسراء کے نام کر دیا تھا موجب صرف اتنا سا ہی تو تھا کہ ازلان احمد اپنے دوست سے زیادہ دشمن کو اپنے قریب رکھنے کا خواہشمند ہوتا تھا۔

وہ پانچوں ڈائنگ ٹیبل پر بیٹھے چار دفعہ چائے پی چکے تھے اور اب بھی وہ چائے ہی پی رہے تھے۔ کسی کو کوئی تھکن محسوس نہیں ہو رہی تھی لیکن اسراء اس وقت بالکل تھک چکی تھی۔

آج کا دن اس پر بھاری تھا لیکن رات خوشگوار تھی اور اس خوشگوار رات میں وہ بھاری برقم دن کو بھول چکی تھی پر وہ اس کا وجود تھا جو یاد رکھے بیٹھا تھا اب اس میں ٹھیسیں اٹھنے لگیں تھیں وہ اس کو بار بار بیڈ پر لیٹ جانے کو کہہ رہا تھا اور لاگ لاپ رہا تھا کہ اسرا یعقوب اب سو جاؤ آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

وہ کبھی بازوں پر سر اور کبھی ہاتھ کی مٹھی پر ٹھوری رکھے تقریباً سو چکی تھی اور اب تو وہ ٹیبل پر سر رکھے مکمل طور پر نیند کی آغوش میں جا چکی تھی۔ ازلان نے اسے دیکھا تو قہقہ لگا کر ہنسا تھا جیسے کوئی لطیفہ سن لیا ہو۔۔۔۔۔۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا لڑکی ہے۔۔۔۔" ہی ہی ہی لمبہ قہقہ۔۔۔۔۔" مطلب محمود بھائی اس کو سنبھالنے کے لیے کتنے بندے درکار ہوتے ہیں آپ کو، کہیں بھی سو جاتی ہے، کہیں بھی اپنا فون بلینس کارڈ چھوڑ دیتی ہے اور پیسے تو ذمہ داری سے کبھی بھی لے کر نہیں نکلی گھر سے"۔ وہ دوھرا ہو کے ہنس رہا تھا۔

نازنین بھی ہنسنے لگی تھی۔ پر وہ مزے سے سو رہی تھی جیسے اپنے وہ گلابی رنگ کے خواب گاہ میں سو رہی ہو۔

"اسرا بس ایسی ہی ہے، اسی لیے ہم اس کو اپنے سے دور کہیں بھیجتے نہیں"۔ " بہت خوب"۔ وہ ابھی بھی اپنی ہنسی کو ضبط نہیں کر پا رہا تھا۔

"بابا سے اکثر لڑتی ہے کہ مجھے ترکی بھیج دیں میں گھومنا چاہتی ہوں لیکن بابا اجازت نہیں دیتے"۔

گفتگو کا عنوان اب اسراء اور اس کی شخصیت تھی۔

"بابا اسراء سے بہت محبت کرتے ہیں خود سے دور نہیں کرتے"۔

اس نے تشویش زدہ نگاہوں سے محمود کو دیکھا تھا۔ پہلی بار ازلان احمد اپنے کسی ماموں سے متاثر ہوا تھا۔یعقوب جانتا تھا اسراء اس کی اپنی بیٹی نہیں ہے، سبین جانتی تھی اسرا اس کی سگھی اولاد نہیں ہے یہاں تک کہ محمود اور تیمور بھی جانتے تھے

وہ ان کی سگھی نہیں صرف رضائی بہن ہے لیکن پھر بھی وہ اپنی محبتیں اس پر نچھاور کر رہے تھے اور وہ بھی دریا دلیری سے۔۔۔۔۔

ایک قہقے نے سب کی گفتگو کا اختتام کیا تھا۔سب نے کمروں کا رُخ کیا تھا محمود نے اسراء کو جگانے کی سعی کی تھی۔"اسرا بیٹا چلو، کمرے میں چل کے سو"۔

اسرا کی آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔وہ سونا چاہتی تھی اور محمود اسے آدھی نیند سے جگا رہا تھا آنکھ کھلنا تھوڑا مشکل کام تھا۔

"اچھا میری گڑیا آو میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں کمرے تک، وہاں آرام سے سو جانا، ایسے تو میری بیٹی کی گردن تھک جائے گی"۔اسراء نے آنکھیں کھولی تھیں لیکن مکمل نہیں۔ محمود اسے سہارا دیتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ ازلان پیچھے کھڑا سب کچھ دیکھ اور سمجھ رہا تھا۔

اس کے ننیال میں بھی مخلص رشتے تھے کم سے کم اسرا کے قریبی لوگ تو مخلص تھے۔شاید اسی لیے اس کے سگھے باپ نے اس کے لیے یعقوب کو چنا تھا ورنہ تراب کے اپنے بھائی اور رشتے دار بھی ہونگے کوئی۔

جو اس کی کفالت کر سکتے تھے لیکن اس نے اِسے یعقوب کی سرپرستی میں دیا تھا۔رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی اور اب اس کی تہجد کا وقت تھا اور اسے تہجد ادا کرنی تھی۔تہجد کے بعد وہ قرآن کی تلاوت کرتا تھا اور پھر باجماعت فجر کی نماز ادا کرتا تھا اور ان میں کوتاہی ازلان احمد نہیں کرتا تھا۔۔۔۔

ا☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ پاکستان کی سرزمین پر پہنچ چکی تھی۔آگا صاحب نے پاکستان میں موجود اپنے آدمیوں کو اس کی رہائش کا بندوبست کرنے کا کہہ دیا تھا۔بھلے ہی انیتا ان سے ایک زبردست جنگ کر کے آئی تھی اور سارے رشتے بے معنی و بے مطلب کر دیے تھے لیکن وہ ان کی بیٹی تھی اکلوتی بیٹی ان کی ساری زندگی کی کمائی۔

وہ کیسے اس سے بے خبر رہ سکتے تھے۔

آگا صاحب کے غلاموں نے اس کی رہائش کا انتظام ایک شاندار ہوٹل میں کیا تھا جو کہ اسلام آباد میں واقع تھا اور اس کی انفارمیشن کے مطابق گورسل کمپنی سے زیادہ دور بھی نہیں تھا۔

سو اسے ہوٹل کا کمرا پسند آیا تھا۔ اس کے کارڈ کی کرنسی کو بھی روپیز میں تبدیل کرا دیا گیا تھا اور ان تمام کاموں کے لیے اسے کوئی ہاتھ پیر چلانے کی ضرورت نہیں پڑی تھی یہ سارے کام تو آگا صاحب کے حکم سے تکمیل پائے جا چکے تھے ۔

اور اسے ان سب کے ہو جانے کا یقین بھی تھا، یہی تو فائدہ ہوتا ہے اولاد کو اپنے اکلوتے ہونے کا، ماں باپ کسی بھی طور کسی بھی طرح آخر ان کی ضد کے آگے ہار مان ہی جاتے ہیں۔

پاکستان آ کر اس نے ایک دن آرام کیا تھا۔ اس دوران اس نے گورسل کمپنی کی لکیشن پر سرچ کیا تھا۔ گورسل کمپنی کے سارے آفیسز کی لکیشن سامنے آگئی تھی۔ ایک آفیس کراچی میں لکیٹ کرتا تھا، دوسرا استنبول (ترکی)، تیسرا اسلام آباد وہ ان تینوں برانچز میں سب سے زیادہ اسلام آباد میں پایا جاتا تھا سو وہ پہلے وہیں ازلان کو ڈھونڈنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

شاید ازلان اسے وہی مل جائے اس نے سوچا تھا ۔۔۔۔ لیکن بہر حال آج وہ پاکستان میں اسلام آبادی مالز میں شاپینگ کرنا چاہتی تھی ترکی سے وہ بہت کم سامان ساتھ لائی تھی۔

اسے کونسا پیسوں کی کمی تھی پیچھے باپ کی اتنی دولت کا سمندر تھا اسے ہی تو خرچ کرنا تھا سو وہ اپنا فرض پورا کر رہی تھی فضول خرچی کر کے ۔۔۔۔ وہ شاپنگ کے لیے تیار تھی اور اب اسے نکلنا تھا۔۔۔۔ وہ پاکستان کے راستوں کو نہیں جانتی تھی سو گوگل ماپ کی راہنمائی بھی ساتھ لے لی تھی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سورج کی شعایں اس کے سپید چہرے سے ٹکرا رہیں تھیں۔اس کا فون دوسری دفعہ بجا تھا جب اس کی مندی آنکھیں کھولی تھیں۔اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا تھا۔بارہ بج رہے تھے اور وہ ابھی تک سو رہی تھی لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ اکثر بارہ بجے تک سویا کرتی تھی۔"ٹوں ٹوں۔۔۔۔۔"اس نے بجتے فون کی جانب دیکھا تھا۔مانو۔۔۔۔کالنگ۔وہ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھی تھی۔بیڈ سائیڈ ٹیبل سے فون اٹھایا۔بیڈ کراون سے ٹیک لگالی تھی۔"ہیلو"۔لمبی جمائی کے ساتھ اس نے بولا تھا۔

"ہاں جی سوئی ہوئی قوم،اب جاگ رہی ہو"۔میں تو سوئی ہی اب تھی،تم سناؤ کیا چل رہا ہے"۔ایک اور اونچی جمائی

۔

"کچھ خاص نہیں بس آج اسائنمٹ سبمٹ کروا کے ابھی بیٹھی ہوں،کیفے میں"۔

فائنل اسائنمٹ اس نے بھی تو بنانی تھی دعا کے ساتھ مل کر۔ لیکن دعا کو یہ سب کرنے کی مہلت نہیں ملی تھی اس کے پاس تھی لیکن اسے موقع نہیں ملا تھا۔ بکس نوٹس، اسائنمٹ پیپر سب کچھ تو یعقوب محل میں اس کی خواب گاہ میں رکھا ہوا تھا۔ "اور میری تو رہ گئی پھر"۔

"اسرا تم کیا واقعہ نیند میں ہو یا مجھے لگ رہی ہو"۔ مانو نے ایک لمبے قہقے کے بعد کہا تھا۔ "تمہاری اسائنمنٹ میں نے جمع کروادی ہے میری جان"۔

"تم نے بنائی تھی"۔ سرد مہری لہجے میں دھر آئی تھی۔

"ہاں میں نے بھی بنائی تھی، لیکن جو تم نے بھیجی تھی وہ زیادہ اچھی تھی اس لیے میں نے وہ والی جمع کروائی ہے"۔

"ایک منٹ۔۔ میں نے بھیجی تھی"۔ وہ چونک کر آگے بڑھی تھی۔ ٹانگیں آپس میں میل دی تھیں۔

"ہاں تم نے ہی تو بھیجی تھی، آج ہی تو ملی ہے مجھے"۔ اس نے وضاحت دی تھی۔

"ککون دے کر گیا ہے"۔ وہ پُر تجسس ہوئی تھی۔ اگر عام حالات ہوتے تو وہ سب سے پہلے محمود کو دینے والا سمجھتی لیکن اس نے اس اسائنمینٹ کا تو کسی کو بھی نہیں بتایا تھا پھر اسائنمینٹ یونیورسٹی کیسے پہنچا۔

"یہ تو مجھے نہیں پتہ، مجھے تو گارڈ آنکل سے ملی تھی، جب پوچھا تو کہنے لگے کسی اسرا یعقوب نامی اسٹوڈنٹس کی ہے آپ کو دینے کا کہا تھا، جب میں نے پوچھا کہ کون دے کر گیا ہے تو آنکل نے کہا کہ دینے والے صاحب کہہ رہے

تھے، اسرا یعقوب اس سے خوب آشنا ہے اور ان کے علاوہ کوئی دوسرا اس سے شناسا نہیں ہے "گہری نیلی آنکھیں ، چھوٹی مگر خوبصورت اور متاثر کن پیشانی، لمبہ قد نہ زیادہ موٹا نہ پتلا اس نے اس نقاب کے پیچھے چھپے کبھی اس کے ہونٹ نہیں دیکھے تھے پر اس کی آنکھیں ہمیشہ مسکراتی رہتی تھیں وہ وہی تو تھا نقاب پوش وہ ہزار فیصد پُر یقین تھی ۔

"ویسے فقرا تھا تو دل فریب، کون تھا"۔مانو نے چسکا لگانا چاہ تھا

"کوئی نہیں"۔اس نے جھنجلا کر فون بند کر دیا تھا۔ایک تو یہ نقاب پوش تھا اس کا بن بلایا مدد گار۔اب تو اسے شک ہونے لگا تھا کہ وہ اس کی سانسوں تک سے بھی خبر دار رہتا ہو گا۔

اس نے ازلان کا بھی سوچا تھا لیکن پھر وہ جملہ ادبی طور پر بولا گیا تھا نقاب پوش کی جانب ہی اشارہ کر رہا تھا ۔۔۔۔۔"ٹھک ٹھک" کی آواز پہ وہ چونکی تھی۔اجازت ملنے کے بعد وہ اندر آئی تھی۔سترہ سالہ ملازمہ جو ازلان کی ملازمہ کم اس پہ حکم چلانے والی زیادہ لگتی تھی۔کم سے کم اسراء کو تو ایسا ہی لگتا تھا۔لیکن ازلان احمد کی یہ ادا بھی اسے اچھی لگتی وہ ایسا ہی تھا دعا اسے بتاتی تھی۔

"باجی آپ تیار ہو جائیں ازلان بھائی آئے ہیں وہ کہہ رہیں آپ کو شاپینگ پہ لے کر جائیں گے"۔سدرہ اس کے سامنے رکھی شیشے کی میز پہ بیٹھی تھی۔

"مجھے شاپینگ پہ لے کر جائیں گے یہ کہا تمہارے بھائی نے"۔اسرا نے دوتستانہ انداز اپنایا تھا۔اسے جیسے یقین نہیں آیا تھا۔اس ہفتے میں اس کی سدرہ کے ساتھ اچھی خاصی بے تکلفی ہو گئی تھی۔اور پھر سدرہ پری انجرینگ کر رہی تھی اور میتھ میں خاستہ حالات تھے اس کے۔

ازلان کے کہنے پہ اسرا نے اسے تین چار دن پڑھایا تھا بوجہ اس کے ان دونوں میں اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی

۔

"ہاں کہا تو یہ ہی تھا"۔

اس کا فون ہاتھ سے چھوٹ کر بیڈ کے نرم میٹرس پہ گرا تھا۔اس کی آنکھیں چٹخیں سی تھیں۔اسائنمنٹ کس نے بھیجا تھا یہ سوال دماغ سے غائب ہو گیا تھا اور کئی نئے احساسات نے جگہ بنالی تھی۔

سدرہ کہہ کر کمرے سے باہر نکلی تھی۔خفیف سی مسکراہٹ اس کے لبوں سے پھسلی تھی۔۔۔۔۔کیا اسرا یعقوب کے ساتھ یہ سب کبھی ہونا تھا یا ہو گیا ہو رہا تھا۔۔۔۔

دماغ میں بہت سے خناس پکاتے ہوئے اس نے وارڈروب کھولا تھا،کالا،سفید،براؤن اور ریڈ جوڑا۔۔۔۔سبھی کو اس نے دو تین بار پہن لیا تھا اور اب وہ ان رنگوں سے اکتانے لگی تھی۔

کہاں یعقوب محل میں اس کا وارڈروب کپڑوں سے بھرا پڑا رہتا تھا، ہر نیا پرنٹ ہر نیا ڈیزائن سب سے پہلے اسراء یعقوب کی وارڈروب میں اپنی جگہ بناتا تھا دو چار بار کپڑوں کو دائیں بائیں جھول کر آخر کار ریڈ جوڑے پہ اس کا دل ٹک سا گیا تھا۔

لال جوڑے میں آخر اسرا یعقوب لگتی بھی تو گلاب تھی۔ خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ وارڈروب سے سوٹ نکالا اور باتھ روم میں چلی گئی دروازہ ٹھپ سے بند ہو گیا تھا۔

ریڈ پیروں کو چھوتا فراک، کالی جینز کے نیچے ہائی بلیک ہیلز نے اس کے دراز قد کو مزید دراز کر رکھا تھا۔ کھولے لمبے بال دونوں اطراف اشانے سے آگئے کو لٹک رہے تھے۔ پیشانی ویسے ہی تھی پف کے نیچے۔

ہاتھ میں تین کیمروں والا فون تھامے وہ اسی کی طرف آرہی تھی۔ منفرد تو وہ تھی ہلکی سی لپ سٹیک اور مسکارے نے اسے اور بھی ممتاز کر رکھا تھا۔

وہ ٹک ٹک کرتی سیڑھیوں سے نیچے اتر رہی تھی اور وہ تنہا کھڑا اس کی ہر حرکت کو آنکھوں میں سمو رہا تھا۔ آخری زینہ عبور ہی تو کیا اس نے جب ازلان کے بولنے سے پہلے محسن نے الفاظ ادا کر دیے تھے۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو"۔ محسن جیبوں میں ہاتھ ڈالے سر سے پاؤں تک اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ نا جانے کہاں سے ٹپکا تھا۔ شاید وہ اس وقت بیس منٹ سے اس درمیان والے فلور پہ آیا تھا۔

"تھنکیو محسن بھائی"۔

ازلان نے نگاہیں گھما کر ناگواری کو پیا تھا۔وہ تو وہاں اکیلا تھا محسن کہاں سے ٹپک پڑا۔اس کے ماتھے پہ بل ابھرے تھے۔پر ضبط ابھی باقی تھا۔

محسن کی نظر اس کی نرم ونازک کلائی پر پڑی تھی۔ایک تار پہ مشتمل ڈائمڈ کا بریسلیٹ اس کی کلائی پہ بلاشبہ اپنی خوبصورتی سے کہیں زیادہ حسین لگ رہا تھا۔"یہ وہی برسلیٹ ہے ناجو تیمور نے تمہیں دیا تھا"۔اس نے اسراء کی کلائی کو پکڑ کر اونچی کی تھی۔اور پھر برسلیٹ پر نرم نگاہ ڈالی تھی۔

ازلان قدرے حیران ہوا تھا اسراء مطمئن تھی۔ایک نامحرم کے ہاتھ میں اس کی کلائی تھی لیکن وہ مطمئن تھی۔

کیسے۔۔۔؟

"ہاں۔۔۔۔۔"۔

وہ خود کو سائیڈ ہیرو سمجھ رہا تھا لیکن اس کہانی مین کردار تو وہ تھا۔پر اسراء کیوں پروا نہیں کر رہی تھی۔

"اچھی لگ رہی ہے"۔محسن نے ایک اور تعریف کی۔کلائی ابھی اس کے ہاتھ میں تھی۔

اس نے ایک گہری سانس لی اور پھر وہ جو جیبوں میں ہاتھ ڈالے منجمد تھا اس کی کلائی کو نرمی سے محسن کے ہاتھ سے آزاد کروایا تھا۔محسن کی گرفت کچی تھی بہت کمزور۔۔۔اسے زیادہ محنت نہیں کرنا پڑی تھی۔"چلو"۔کہہ کر اسے کھینچا تھا اور وہ کنچھتی چلی گئی تھی۔

پیچھے مڑ کر دیکھا تک بھی نہیں تھا۔وہ کچھ کہہ نہیں سکی تھی بس بے جان مجسمے کی طرح اس کے پیچھے کھنچ رہی تھی پر ازلان نے پیچھے مڑ کر اسے ضرور دیکھا تھا۔

اس کی آنکھیں باتیں کر رہیں تھیں محسن کو اس کی اوقات یاد دلا رہیں تھیں۔"بس اتنی مضبوط تھی تمہاری گرفت،میری گرفت دیکھو کتنی پختہ ہے۔۔۔۔ محسن تم چاہے کتنی ہی بار اسراء یعقوب کا ہاتھ پکڑ لو پر اسے تھام کر اپنی اوڑھ کھینچنے والا میں ہی ہوں گا،اور وہ پیروی کرے گی،کیونکہ اس موجِ عشق میں وہ،ازلان احمد کی اسیر ہے" ۔یہ الفاظ ازلان کی انکھیں بول رہیں تھیں بنا آواز کے الفاظ اسے چبھنے لگے تھے۔

وہ دور ہو رہی تھی۔ازلان اس کی کلائی پکڑے اسے اپنے پیچھے گھما رہا تھا اور وہ گھوم رہی تھی۔اور آخر کار کی فرنٹ سیٹ پر اسراء کی کلائی آزاد ہوئی تھی۔"یہ تھی مضبوط گرفت جو منزل پہ آ کے چھوٹی ہے"۔اس نے خود سے سوچا تھا۔

بڑا گیٹ کھل چکا تو کار پورچ سے نکالی گئی تھی۔اگئے کہاں گئی وہ دیکھ نہیں سکا تھا پر اسراء سمیت گئی تھی اور ازلان اس کے ساتھ تھا۔

" تم اس کہانی کے سائیڈ ہیرو ہو ازلان اور اب مین نہیں بن سکتے،چاہے کچھ بھی ہو جائے"۔اس کا انداز اٹل اور پختہ تھا۔بہت مضبوط طہیہ۔۔۔۔۔

کار ڈرائیو وے پہ ڈرائیو کر رہی تھی۔ اسراء نے اسے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ اس نے بھی کوئی بات نہیں کی تھی ۔ وہ کب سے بیٹھی بس گود میں رکھی اپنی کلائی کو گھور رہی تھی۔ ترتیب سے چنے سفید موتی اس وقت اسے بہت خاص لگ رہے تھے۔ آنکھوں میں چمک امنڈی تھی۔ "اور پھر اسے تم سے محبت ہو گی، پھر تمہاری شادی ہو گی اور پھر۔۔۔۔۔۔"۔ شادی کاش دعا ہوتی تو وہ اسے اپنے اور ازلان کے مابین ہونے والی گفتگو کے قصے سناتی۔ کاش۔۔۔۔۔ کاش کا لفظ ہمیشہ ہماری زندگی میں اپنی جگہ قائم رکھتا ہے۔ اس کی زندگی میں بھی تھا پہلے ازلان نہ ہونے پہ اور اب دعا کے چلے جانے پہ۔

"ٹوں ٹوں"۔ میسج ٹون بجی تھی۔ "تمہاری اسائنمنٹ میم کو بہت پسند آئی اسراء"۔ چمکتی اسکرین پہ مانو کا پورا میسج پڑھا جا سکتا تھا۔ اس نے گردن اٹھا کر ازلان کو دیکھا تھا۔ جو توجہ سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

ایک ہاتھ اسٹرینگ وہیل پہ تھا اور دوسرے ہاتھ کی انگلیاں ماتھے پہ تھیں۔ جیسے ناگواری سے کچھ سوچ رہا ہو۔ اسائنمنٹ نے اس کے دماغ میں عجلت پیدا کر دی تھی سو وہ پوچھے بغیر رہ نہ سکی۔ "ازلان میری اسائنمنٹ تم نے بھیجی تھی یونیورسٹی"۔ ایک ہی جملے مکمل سوال۔

"نہیں۔۔۔"۔ نہیں ایک لفظ تھا مگر انتہائی تلخ۔

اس کے گلے میں کرواہٹ بھر آئی تھی۔ اس نے نہیں بھیجی تھی۔ تو پھر صرف ایک اپشن تھا نقاب پوش۔۔۔۔" نہیں"۔ کرواہٹ کی وجہ بولے جانے والا تلخ لہجہ بھی تھا لیکن وہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔

کار اپنا سفر طے کر رہی تھی سرمئی سڑک ہر چیز سے بے نیاز سب اپنے اوپر چلنے کا موقع دے رہی تھی۔اس نے ونڈ اسکرین سے اس پار دیکھا اور پھر اسے، اور پھر فون کی اسکرین کو جو اب بجھ چکی تھی۔ آنکھیں بھیگ رہیں تھیں کسی کے خوف سے، کسی طوفان کے ڈر سے۔۔۔۔اس کی اسائنمنٹ۔۔۔۔فقرہ نامکمل تھا پر اسے مفہوم سمجھ آ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہر طرف چمکتی روشنیوں کی چلملاہٹ تھی، برقی قمقموں نے رات میں دن کا سا سما پیدا کر رکھا تھا۔ خریدار رات میں دن سے کہیں زیادہ تھے۔اس نے سن رکھا تھا پاکستانی رات میں شاپینگ کرنے زیادہ نکلتے ہیں اور آج دیکھ بھی لیا تھا

۔

وہ دوپہر گیارہ بجے سے یونہی پاکستانی سڑکوں اور مالز پہ دھکے کھا رہی تھی پر یہ سب کافی لطف خیز تھا۔۔۔ایک ایڈونچر۔۔۔۔۔پاکستانی کافی ماڈرن تھے۔غالباً ترکی کا سا ہی ماحول تھا۔ یہاں بھی لڑکیاں گھٹنوں سے پھٹی جینز اور شارٹ شرٹس پہنے لاپرواہ گھوم رہیں تھیں، اپنے ہم عمر لڑکوں کے بازو میں بازو حائل کیے، مال میں ہر چیز شیشے میں لگائی گئی تھی۔

ڈریسز بھی بالکل ویسے ہی تھے جیسے ترکی میں تھے۔لیرز پاکستانی پیسوں بدل چکے تھے۔وہ بے نیازی سے سوٹ پہ سوٹ پیک کروا رہی تھی۔جوڑوں سے دل بھرا تو وہ ہلیز کے سٹالز کی جانب جزب ہوئی تھی،پھر جولری اور نا جانے کیا کیا خرید رہی تھی۔پاکستان میں بھی کافی اچھی چیزیں ہوتی ہیں اسے آج ہی پتہ چلا تھا۔

اس کی شاپینگ بھی تقریباً ختم ہو چکی تھی اب انھیں کچھ کھانا تھا۔اسراء نے صبح ناشتہ نہیں کیا تھا اور پھر وہ شاپینگ کے لیے آگئی اب اسے شدید بھوک لگی تھی۔ازلان کا موڈ اب پہلے سے کہیں زیادہ خوشگوار تھا۔اس نے اسے خوب شاپینگ کروائی تھی ہر چیز اپنی پسند سے لے کر دی تھی اور اسے بھی پسند آئی تھی۔

اس کی شکل پہ بارہ رہے تھے،ازلان دیکھ کر کھکھلا کر ہنسا تھا اور پھر وہ کیفٹریا آئے تھے۔کیفے میں دن سے کہیں زیادہ رش تھا لڑکے لڑکیاں۔۔۔فیملیز شاید آج ہی پورا اسلام آباد شاپینگ کے لیے نکل آیا تھا۔

کونے والی میز خالی تھی،وہ اس کی طرف بڑھا۔

"کیا کھاؤ گی"۔سامان ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

"برگر اور فرائز ساتھ کولڈ ڈرنک"۔اس نے بے صبری سے کہا تھا۔اب وہ کھانا چاہتی تھی بھوک بہت شدید تھی اور پیٹ کھانہ کھانہ بول رہا تھا۔

" اوکے"۔اس نے ناگواری کی ایک لہر پورے کیفے میں دہرائی تھی۔جوان لڑکیاں،جوان لڑکے۔۔۔فیملیز۔۔کسی عورت کے سر پہ دوپٹہ نہیں اور کسی مرد کی آنکھ میں لحاظ نہیں تھا۔

جب حیا ختم ہو جائے تو پھر لحاظ بھی باقی نہیں رہتا اور یہاں تو دونوں چیزیں نہیں تھیں۔ پھر اس نے اسراء کو دیکھا تھا جو ہر کسی سے بے نیاز صرف اس پہ نظر ٹکائے کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں حیا تھی پر لوگ آنکھیں نہیں دیکھتے تھے یہ دور آنکھیں پڑھنے والا نہیں تھا۔ کوئی حیادار آنکھیں کیسے پڑھے جب دکھنے والے کا انداز بے حیا ہو تو۔۔۔۔

اس نے ناگواری کا لاب اپنے حلق سے انڈیلا تھا۔ "میں لے آتا ہوں، اور گاڑی میں جا کھا لینا یہاں مناسب نہیں ہے، رش بہت زیادہ ہے"۔ وہ کہتا ہوا چل دیا تھا۔ وہ فون پہ انگلیاں مارنے لگی۔ اس نے ازلان کی بات پہ زیادہ کان نہیں دھرے تھے۔ رش تھا تو وہ کار میں کھا لے گی اس نے غور و فکر نہیں کیا تھا وہاں کس چیز کا رش تھا۔

وہ غور فکر کرتی ہی نہیں تھی حالانکہ غور و فکر کرنا ہی تو ہے جو انسان کو بے عقل حیوان سے ممتاز کرتا ہے۔ وہ کبھی موبائل پہ کچھ لکھتی۔۔۔ پھر مسکراتی اور پھر بالوں کی لٹوں کو کان کے پیچھے اڑستی ۔۔ یہ عمل وہ بار بار کر رہی تھی۔ موبائل سے نکلتی روشنی گلابی ہونٹوں سے ٹکرا رہی تھی۔ ملائی سا چہرا بھی چمکنے لگا تھا۔

"او سویٹ ہارٹ۔۔۔"

وہ کراہتے ہوئے دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔ وہ کون تھا، سرخ ہونٹ، لال دانت، شرٹ کے تمام بٹن کھولے ہوئے تھے اور نیچے وائٹ بانین نظر آ رہی تھی، بلیو جینز کے نیچے سفید میلے جوگرز میں ملبوس وہ عمر رسیدہ مرد مسلسل منہ میں کچھ چباتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے اتنا قریب کب آیا تھا۔

"ہمارے ساتھ بھی تھوڑی گپ شپ کر لو ناڈیئر"۔ وہ چلتا ہوا اس کے قریب آ رہا تھا اور وہ الٹے پاؤں پیچھے جا رہی تھی، یہاں تک کہ وہ پیچھے دیوار سے جا لگی تھی۔ پیچھے دیوار تھی اور اسراء اس سے مزید دور نہیں جا سکتی تھی۔ وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پر تھا۔

"کک۔۔۔۔ کون ہیں آپ"۔ اس کے قدموں تلے سے زمین پھسلی تھی۔ ہجوم اس کی طرف متوجہ تھا اور یقیناً شوانجوائے کر رہا تھا۔ عزت تو لڑکی کی خراب ہوتی ہے باقی سب کے لیے تو لطف دینے والا شو۔۔۔ خوش گپیاں کرنے کے لیے ٹاپک، ایک موضوع اور وہی یہاں پہ بھی تھا۔

لوگ ہاہو کر رہے تھے پر کوئی آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔

وہ بھی سین کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔ کیا پاکستان میں بھی یہ سب ہوتا ہے۔" واؤ۔۔۔ خوبصورت لڑکی انتہائی خوبصورت لڑکی، خوبصورت لڑکیوں کے ساتھ ہی تو یہ ہوتا ہے"۔ وہ جوس انجوائے کرنے لگی۔ موی ابھی ا سٹارٹ ہی ہوئی تھی ختم ہونے میں وقت تھا اور اسے پوری دیکھنی تھی۔ موی میں ہیروئن تو کمال کی تھی، انتہائی حسین اور خوبصورت، اس نے سر سے پاؤں تک کا محاسبہ کیا تھا۔ وہ ایک کرسی پر براجمان ہوئی تھی۔

ایک لڑکی عزت اچھالی جا رہی تھی اور ابھی تک کوئی ہیرو نہیں آیا۔۔۔ "ویری گڈ "۔ وہ مسکرا دی۔

"کوئی بھی رشتہ بنالو میری جان، ہم تمہارے ہی تو ہیں"۔

اسراء کی گال پہ آنسوں ٹپکے تھے۔وہ کچھ سوچ نہیں پا رہی تھی نا کچھ کر پا رہی تھی۔اس نے بازو سینے پر باندھ لیے تھے۔

مقابل ایک آوارہ بھوکا بھیڑیا کھڑا ہے وہ پہچان گئی تھی۔وہ ہاتھ اس کے بالوں کی جانب بڑھا رہا تھا۔ہاتھ وحشت زدہ ہاتھ،کالا میلا ہاتھ اس کی حسین زلفوں کی طرف گامزن تھا۔

وہ مزے سے بیٹھی تھی۔اسے ہیرو کا انتظار تھا اور وہ آ گیا تھا۔

اور آتے ہی ولن کے منہ پہ ایک دو تین زناٹے دار طمانچے رسید کیے تھے۔اور اب وہ اس کا گریبان پکڑے اسے جھنجوڑ رہا تھا۔ہیروئن مکمل گھبرا دی تھی۔آنسوں کی تسبیح نہیں رکی تھی۔

ازلان کی آنکھوں میں وحشت تھی خوف زدہ کر دینے والا غضب۔اور وہ خوف زدہ ہو گئی تھی وہ ڈر گئی تھی۔

ازلان اب کیا کرے گا۔انیتا کے سر پہ جیسے آسمان گرا تھا۔ہیرو کے طور پہ آسمان سے ٹپکنے والا کوئی اور نہیں اس کا اپنا ازلان تھا جس کے لیے وہ یہاں کھڑی تھی۔وہ کسی اور کے لیے ہیروبن کے انٹر ہوا تھا۔

"تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی ہاں،میری کزن کو ہاتھ لگانے کی،میں تمہیں۔۔۔"۔ایک دو اور پھر تیسرا مکا اس کے پیٹ میں رسید کیا تھا۔

آس پاس کے لوگ حیران تھے اور منتظر تھے اگلے ایکشن کے۔ مگر اس کے لیے تو موی جیسے رک سی گئی تھی اور کوئی بہناک خواب اس کے سامنے رونما ہو گیا تھا۔ کزن کا لفظ اس کی سماعتوں ٹھہر گیا تھا۔ وہ اب بھی اسے طمانچے پہ طمانچہ دے رہا تھا۔

سامنے والا نڈھال ہو گیا تھا اس کے دانتوں سے خون چھٹ پڑا تھا۔ اسراء نے چاروں اطراف نگاہیں گھمائی تھیں سب اسے دیکھ رہے تھے، انھیں دیکھ رہے تھے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے دھند چھانے لگی۔

"از۔۔۔ ازلان لیو ہِم (چھوڑو اسے)۔" ہچکیوں سے اس کی اواز ٹوٹی تھی۔

"تم نے قدم بڑھائے بھی کیسے"۔ وہ اُس پہ غرا رہا تھا۔

"از۔۔۔ لان سب لوگ دیکھ رہے ہیں"۔ اس نے آہستہ سے کہا تھا۔ البتہ انداز ابھی بھی بر قرار نہیں رکھ پائی تھی

۔

"ہاں سب لوگ دیکھ رہے ہیں"۔ اس نے آدمی کو جھٹک کر چھوڑا تھا۔ وہ اب بھی ڈھیٹوں کی طرح دانت دکھا رہا تھا۔ "لیکن تمہیں نظر نہیں آتا کہ لوگ تمہیں دیکھ رہے ہیں"۔ وہ لوگوں کی پرواہ کیے بغیر دھڑام اس پر پھٹ پڑا تھا۔

انیتا کے سر پہ بجلی گری تھی۔پہلے آسمان اور پھر بجلی یہ دونوں ہی اس کے لیے بڑے جھٹکے تھے۔وہ لوگوں میں گھستی گھساتی دائرے میں داخل ہونے کی کوشش کر رہی تھی تاکہ ازلان سے مل سکے پر لوگ اپنی جگہ چھوڑنے کو تیار نہ تھے۔بلاشبہ وہ منظر مس نہیں کرنا چاہتے تھے۔

"از۔۔۔"اس کی حلق سے آواز نہیں نکلی تھی۔وہ کوئی تکرار، کوئی بحث کرنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی۔اس کا وجود ٹوٹ رہا تھا روح ساتھ چھوڑ رہی تھی۔یہ کیا ہو رہا تھا۔

"اچھا چلو اپنا نمبر دے دو اے حسینا"۔دانتوں سے رستا خون، وہ چھاتی پہ ہاتھ رکھے بولا تھا گویا دو چار مکے کافی نہ تھے۔ایسی لڑکی کے لیے تو وہ پچاس بھی کھا سکتا تھا۔

"تیری۔۔۔۔"۔وہ اس پر جھپٹا تھا۔

" ازلان۔۔۔اس نے ہاتھ دبوچ لیا تھا۔

"چہ۔۔لو۔۔۔۔ازلان"۔وہ اسے پوری فورس لگاتے ہوئے کلائی سے کھینچتی ہوئی ہجوم میں سے نکل رہی تھی۔اس ہجوم نے درمیان سے دونوں کے لیے راستہ چھوڑ دیا تھا۔جیسے بادشاہ اکبر کے لیے کسی زمانے میں چھوڑا جاتا تھا ۔پیچھے سے بلند آواز میں جوشیہ چیخوں کی آوازیں بلند ہوئیں تھیں جیسے واقع سین کے اختتام پر ہیروئن ضد کر کے ہیرو کو لے گئی ہو، اور ہیرو اس کے آگے کچھ بول نہیں سکا تھا۔

"ارے اگر اتنی عزت والے ہو تو، اپنی کزن کو گھر میں رہنا کیوں نہیں سکھاتے، جب ایسے حسین لڑکیاں سامنے آئیں گی، دیوانے تو مچلے گیں"۔ وہ پیچھے بھونک رہا تھا۔ ازلان اس کا منہ توڑنا چاہتا تھا پر اسراء اسے گھسیٹتے ہوئے لے جا رہی تھی۔

گرفت مضبوط تھی سو وہ آزاد نہ کروا پایا۔ شاپینگ بیگز، برگر سب وہی زمین بوس ہوا رہ گیا تھا۔

ازلان کا سر ایک نقطہ رہ گیا تھا۔ وہ لڑکی اسے بازو سے کھینچے چلے جا رہی تھی۔ انیتا کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ وہ اس کی کزن تھی یہ نقطہ اس کے دماغ میں نقش ہو کر رہ گیا تھا۔ پر کیا وہ بس کزن ہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کالی روشنیاں سرمئی سڑک کو چمکا رہیں تھیں۔ وہ خلافِ معمول تیز ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اسراء سسکیوں سے مسلسل آنسو بہا رہی تھی۔ پر اس کا غصہ نہیں پگھلا تھا، وہ ویسے ہی عروج پر تھا۔ دل نہیں ڈوبا تھا۔ وہ اسی طرح سے ڈرائیونگ کر رہا تھا بلکہ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ سپیڈ بڑھتی جا رہی تھی۔ اسراء اس رش ڈرائیونگ سے بھی خوف زدہ ہو رہی تھی۔ "وہ آدمی وہاں کہاں سے آیا"۔ اس نے دھڑک لہجے میں سوال کیا تھا۔

"ہاں۔۔"اس نے استہزایہ انداز میں کہا تھا۔چہرا آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔آنکھیں لالی میں ڈوب گئی تھیں۔

"وہ لڑکا وہاں کہاں سے آیا"۔اب کی بار وہ ہر لفظ پر زور دیتے ہوئے با قاعدہ اس پر چیخا تھا۔

"ممم۔۔۔مہ میں۔۔۔مجھے نہیں معلوم"۔سسکیوں میں آضافہ ہوا تھا وہ اتنے بھر ہم لہجے سننے کی عادی نہیں تھی

۔

"تمہیں تو کچھ معلوم ہی نہیں ہوتا، کبھی محسن تمہاری کلائی پکڑتا ہے کبھی کوئی لڑکا بازار میں تمہارا حسن سراہاتا ہے کیا تمہیں سمجھ نہیں آتا،اتنی چھوٹی بچی ہو تم"۔

"از۔۔۔۔"

"اوٹ"۔کار کو یکدم بریک لگی تھی۔

"میری۔۔۔"۔

"آئی سڈ گٹ آوٹ (میں نے کہا دفع ہو جاؤ)"۔وہ ونڈ اسکرین کو گھورتے ہوئے کہہ رہا تھا۔گویا وہ اس کی شکل بھی نہیں دیکھانا چاہتا تھا۔

وہ لڑکھڑاتے ہوئے کار سے نکلی تھی۔کار ایک جھٹکے سے اس کے سامنے شو منتر ہوئی تھی۔وہ سر سے پاؤں تک کانپی تھی۔سردی نے آن اس کے پورے وجود کو گھیرے میں لے لیا تھا۔اس نے دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے خود

کو سکیڑ لیا تھا۔ آنسو یک ٹک بہتے جا رہے تھے سردی تو پہلے بھی تھی پر اسے محسوس نہیں ہوئی تھی۔ پر شاید انسان میں احساسات تب جنم لیتے ہیں جب وہ چیزوں کا احاطہ کرنے بیٹھے، سہی غلط سوچنے بیٹھے اچھے برے کی تفریق کرنے بیٹھے۔ تب ہی تو وہ کھوج لگاتا ہے اور آئندہ ہدایت پر چلنے کے جھوٹے سچے وعدے کرتا ہے۔ مستقبل میں پھر چاہے وہ بھول جائے۔

اس نے گردن اٹھا کر شیشے کی دیوار کو دیکھا تھا۔ بولٹ پروف شیشہ آج اس سے کہیں زیادہ مضبوط تھا۔ اس مکان میں بسنے والے مکینوں کو وہ منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی تھی۔ وہ کیسے اندر سب کا سامنا کرے گی، محمود بھائی، محسن بھائی، پھوپھو۔۔۔ وہ کیسے کھڑی ہو گی ان کے سامنے۔ وہ چاہے کتنے بھی کھولے ذہن کی مالک تھی پر لڑکی تھی اور اتنا تو سمجھتی ہی تھی کہ لڑکی عزت پر بال یا نیم سی چھنٹیں بھی ماں باپ اور بھائیوں کے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہوتی ہیں۔ اور شوہر تو ویسے بھی آج ساتھ چھوڑ ہی گیا تھا۔

شاید کبھی اسے چھوڑنے کا فیصلہ بھی کر لے۔ وہ اندر نہیں جانا چاہتی تھی ہر گز کسی کو منہ نہیں دکھانا چاہتی تھی۔ اور آج جو کچھ مال میں ہوا وہ باہر بھی نہیں رہنا چاہتی تھی۔ سو دروازہ کھول کر اندر ہی آ گئی۔

کبھی کبھی انسان کی زندگی میں دنیا بڑی تنگ ہو جاتی ہے۔ وہ جگہ سے بھاگ جانا چاہتا ہے سو آج اسراء یعقوب بھی یہ ہی چاہتی تھی۔ بھاگ جانا، فرار، گھر سے فرار، باہر سے فرار،،، صرف بھاگ جانا نا جانے کس اوڑھ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اور ان عورتوں کے ساتھ دستور کے مطابق گزران کرو۔ اور اگر کسی وجہ سے تم اپنی عورتوں (مراد بیویوں) کو ناپسند کرتے ہو تو کیا پتہ کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو مگر اللہ نے تمہارے لیے اس میں بے شمار خیر و برکت رکھی ہو۔ (النساء:19)

کامل مومن وہ ہے جو اپنے اخلاق میں بہتر ہے اور ان میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے حق میں بہتر ہے۔ (ترمذی)

اگر تم اپنی بیویوں میں کوئی نقص دیکھو تو اس سے نفرت نہ کرو، کیونکہ غور سے دیکھو گے تو تمہیں اس میں کوئی اچھی بات بھی نظر آجائے گی۔

مردوں کے لیے حصہ (ثواب) ہے ان کے اعمال کا، اور عورتوں کے لیے حصہ (ثواب) ہے ان کے اعمال کا۔ (النساء:32)

تمہاری عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس کی مانند ہو۔ (البقرہ:32) مسجد کے ستون فلک بوس کھڑے تھے۔ نمازی مسجد کی جانب گامزن تھے۔ وہ بھی

کالی کار کی ڈرائیونگ سیٹ سے باہر نکلا تھا۔ وہ انتہائی غصے میں اسراء کو دروازے پہ چھوڑ آیا تھا۔ اب نا جانے وہ گھر گئی بھی ہو گی کہ نہیں۔ لمحے بھر کو اس کا سارا غصہ ہوا ہوا تھا۔

غصہ شیطانی عمل ہے۔ جب انسان پر شیطان ہاوی ہو جاتا ہے تو بلاشبہ وہ اس سے وہ کام کرواتا ہے جو وہ نہیں کرنا چاہتا۔ اور غصہ بھی ایک ایسا ہی عمل ہے پر اللہ اکبر کی آواز جہاں تک جاتی ہے شیطان کا اختیار وہاں نہیں چلتا۔

وہ گہری سانس لیتے ہوئے مسجد کے مرکزی دروازے کی طرف قدم اٹھانے لگا جہاں سے اور بھی بہت سے نمازی فلاح کی طرف جا رہے تھے۔ نماز فلاح ہی تو ہے۔۔۔۔ کامیابی۔۔۔۔۔ نیک راستہ۔۔۔۔ جواب دینے والی ۔۔ اللہ سے کلام کا راستہ، راحت اور سکون دینے والا راستہ۔۔۔۔۔۔

نمازِ مغرب ادا کرنے کے بعد وہ تھوڑا پُر سکون ہوا تھا۔ نمازی نماز کے بعد ایک ایک کر کے جا چکے تھے۔ وہ ابھی وہیں بیٹھا تھا، وہ اٹھ ہی نہیں سکا تھا، اسے ابھی اللہ سے نماز کے علاوہ اور بہت سی باتیں کرنی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ بازو سینے پہ باندھے لوینگ روم میں داخل ہوئی تھی۔ایک لمحے کے لیے رکی تھی اور محتاطی نگاہ ادھر اُدھر دوڑائی تھی۔لال فراک کا گول گلا اس کے آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔سردی کی بدولت گلابی گال لال اور ناک سُرخ ہو چکی تھی۔دماغ بالکل ماؤف ہو چکا تھا۔

سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو چکی تھی۔کسی کو کچھ پتہ نہ چلے سوچ کر ہاتھ کی پشت سے آنسو رگڑ دیے تھے۔ زبردستی خود کو بحال کرتے ہوئے وہ دوبارہ چلی تھی۔

جب ہم راہوں کا آغاز کرتے ہیں تو قدم چلنا خود بخود ہی سیکھ جاتے ہیں خاص طور پر ان راہوں پہ تو خوب روانگی سے چلتے ہیں جہاں واپسی کا کوئی راستہ نہ ہو، جہاں آپ کے دل و دماغ یہ جانتے ہیں کہ اب ہمیں ہر حال میں بڑھنا ہی ہے اگر رکے تو سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔

اسراء یعقوب بھی ان تمام مشکلات سے نپٹنے کی عادی نہیں تھی اور نہ ابھی ہوئی تھی۔پر وہ لاشعوری طور پر ان سب سے لڑ رہی تھی۔کیونکہ اللہ اسے حوصلہ دے رہا تھا۔اللہ انسان کو صرف اتنا ہی آزماتا ہے جتنی اس میں سکت ہو۔

"اسراء باجی"۔

اس کی حلق سے کراہ نکلی تھی۔وہ ساکت پلٹی تھی۔کالا برقع، پینک اسکارف، بلیک نقاب جو نا جانے اس نے کیسے کیا تھا اس نے کبھی غور نہیں کیا تھا۔دعا بھی ایسے ہی نقاب کرتی تھی۔اسکارف اور نقاب الگ الگ رنگ کی نوعیت ہوتے تھے۔

اس نے اس پر بھی کبھی غور نہیں کیا تھا۔اسکارف اس کے لیے اتنا بھی اہم نہیں تھا۔پر آج اس نے دیکھا تھا۔دو الگ الگ رنگ، اسکارف اور نقاب۔۔۔۔۔۔

"کیا ہوا باجی"۔کنزا نے اس کے تاسف بھرے چہرے کو دیکھا تھا۔اور پھر اس کی آنکھوں کو۔۔۔۔۔سمندر تھا آنکھوں، میں تالاب تھا یا بیش بہا پانی کنزا فیصلہ نہیں کر سکی تھی۔

"کچ۔۔کچھ نہیں"۔اس کا دل چاہا تھا کہ وہ کنزا سے لپٹ کر خوب روئے اور آج جو قیامت اس پر گزری تھی اسے بتادے۔وہ بتائے کہ ایک انجان نقاب پوش نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے۔وہ سمجھ چکی تھی یہ نقاب پوش کا ہی بھیجا ہوا کوئی درندہ تھا لیکن وہ چپ تھی خاموش تھی۔کیا الفاظ بولتی، کیا کہہ کر سب کو مطمئن کرتی اور خود کو کیا دلائل پیش کرتی۔اس کے پاس اپنے لیے کوئی ایک لفظ بھی نہیں تھا۔

"آپ گھبرا گئی تھیں اتنا زیادہ، جب میں نے آپ کے کندھے پر ہاتھ رکھا، خیریت"۔

"نہیں وہ اصل میں مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم یہاں ہو گی"۔اسراء نے اس کی گہری آنکھوں میں دیکھا تھا اور پھر نگاہیں جھک سی گئی تھیں۔

"میں یہاں آتی رہتی ہوں، دعا باجی کے ساتھ بھی اور مدرسے کے حوالے سے بھی ڈسکس کرنے کے لیے اکثر یہاں آتی رہتی ہوں"۔ کنزا نے معمولی سی وضاحت دی تھی۔

اس نے اس کی گہری آنکھوں میں دیکھا تھا۔ کالی گہری آنکھوں میں، دعا کی آنکھیں بھی بہت گہری اور سیاہ تھیں اسے یاد آیا تھا جبکہ اس کی اپنی آنکھیں بھوری سی تھیں۔ کسی شیشے کی مانند صاف جنھیں وہ کاجل لگا کر مزید متاثر کن بناتی تھی۔ کنزا نے آنکھوں میں کوئی کاجل نہیں لگایا تھا پر وہ کالی تھیں متاثر کن کالی آنکھیں۔ "مدرسہ"۔ بے اختیار اس کے لبوں سے پھسلا تھا۔ حواس پہلے سے کہیں بحال ہو چکے تھے۔

"ہاں مدرسہ، ازلان بھائی نے کچھ عرصہ پہلے ہی ایک مدرسہ بنوایا تھا، جہاں لڑکیاں اور لڑکے دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں، لڑکیوں کا کمپس الگ ہے اور لڑکوں کا الگ الگ ہے بیچ میں دیوار ہے"۔

"ارے اسراء بیٹا آگئی تم، چلو تم دونوں بیٹھ کر باتیں کرو، میں کھانا وغیرہ دیکھ لوں، ازلان بھی نماز پڑھ کے آتا ہی ہو گا"۔ پھوپھو حکم صادر کرتے ہوئے کچن میں چلی گئی اور پھر پشت اس کی طرف ٹکائے سیلب پہ کچھ کرنے لگی تھی

۔

شاید کچھ کاٹ رہی تھی یا پھر کچھ اور وہ دیکھ نہیں سکی تھی اس کی آنکھیں بھیگ گئیں، گلا کرواہٹ ابھارنے لگا تھا۔ اگر سیین ہوتی تو وہ اس کی خاموشی تک کو بھی بھانپ جاتی اور پھر نا جانے کیا کیا دم پڑھ کر اس پر پھونکتی اور پھر تب تک اس سے سوال پوچھتی رہتی جب تک اصل وجہ نہ بتا دیتی یا مسکرا کر اسے مطمئن نہ کر دیتی۔ نازنین بھی

اس کا بہت خیال رکھتی تھی پر ماں ماں ہوتی ہے جسے بچوں کی زبان سمجھنے کے لیے اس کے لفظوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔

"دینی تعلیم کے ساتھ ازلان بھائی ان بچوں کو دنیاوی تعلیم بھی دلاتے ہیں، بہت سارے بچوں کے تعلیمی اخراجات وہ اٹھاتے ہیں، ساتھ ہی ہاسٹل بھی ہے جن کے پاس گھر کی سہولت نہ ہو یا پھر گھر نہ ہو وہاں رہتے ہیں اور اس تمام نظام کی خبر مجھے رکھنا ہوتی ہے"۔ آخری جملہ کچھ جتا کر بولا گیا تھا۔ کنزا صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھ گئی۔ ہاتھ میں پکڑا سنہری ڈبہ سائیڈ پہ رکھ دیا تھا۔

اس نے بمشکل اپنے آنسوں کو پیا اور مسکراتے ہوئے ساتھ والے صوفے پہ بیٹھ گئی۔ کنزا نے اس کے آنسوں دیکھے تھے۔ نہ اس کی آنکھیں، نہ اترا ہوا چہرا کچھ بھی تو نہیں دیکھا تھا کنزا نے کچھ بھی بغور نہیں دیکھا تھا۔

"پہلے یہ سب کچھ میں اور دعا باجی دیکھ لیتے تھے لیکن اب۔۔۔۔۔"۔ لہجے میں تاسف ابھرا تھا۔

"ازلان ابھی نماز۔۔۔"۔ پہلا مگر نامکمل جملہ بولنے کی کوشش اس نے کی تھی۔ آواز بھاری تھا۔

"میں ان سے نہیں آپ سے ملنے آئی ہوں، تاکہ آپ کی امانت آپ تک پہنچا دوں"۔ اس نے ایک نظر سنہری ڈبے کو دیکھا تھا اور پھر اسے۔

"میری امانت"۔ بھاری آواز ایک جملہ۔ لیکن کسی نے غور نہیں کیا تھا۔

اس دنیا میں کوئی آپ پر غور نہیں کرتا، کوئی آپ کے دل کا حال نہیں جان سکتا کیونکہ دلوں کا حال تو صرف وہ جانتا ہے جس نے دل بنائے اور پھر ان میں دھڑکنے کی صلاحیت دھر دی اور ان میں جذبات رکھے۔

"ہاں آپ کی امانت"۔ڈبہ ہاتھ میں تھامے اس نے اس کی طرف بڑھا دیا۔وہ یک ٹک ڈبے کو تکتی رہ گئی تھی۔ جیسے پوچھ رہی ہو یہ تمہیں کہاں سے ملا؟ یا کہہ رہی ہو یہ تمہیں کس نے دیا؟ یا شاید یہ بول رہی ہو یہ تو میرا نہیں ہے۔۔۔لیکن زبان ہر لفظ سے عاری تھی۔کچھ نہ کہہ سکی۔

"یہ دعا باجی نے آپ کے لیے چھوڑا ہے"۔جب ڈبہ سامنے والے نے نہ تھاما تو کنزا نے پہچانے والے کا نام بتانا موقعے پر ضروری سمجھا تھا۔

اسراء پہ جیسے بوجھ گرا تھا۔سنہری ڈبہ، چھوٹا سا ڈبہ جس پہ چھوٹی سی سنہری تالی تھی۔دعا نے اس کے لیے چھوڑا تھا ۔ہاتھوں نے تذبذب سے ڈبہ تھام لیا تھا۔مضبوطی سے پائیداری سے پکڑ لیا تھا شاید کبھی نہ چھوڑنے کے لیے۔

کنزا مسکرا دی۔اگرچہ کنزا کے چہرے پہ نقاب تھا مگر اسراء کو اس کی مسکراہٹ اس کی آنکھوں کے انداز سے محسوس ہو گئی تھی۔انسان کی آنکھیں کبھی کبھار کافی کچھ بیان کر دیتی ہیں۔

"آج دوپہر میں آپ کے بھائی اور آپ کے کزن دعا باجی کی تعزیت کے لیے آئے تھے۔پہلے میں نے سوچا ان کو دے دوں لیکن پھر دعا باجی کے الفاظ یاد آئے انہوں، نے سختی سے تنبیہ کی تھی کہ یہ ڈبہ آپ کو خود دوں، تو بس میں اپنا فرض پورا کرنے آگئی"۔وہ سائیڈ پہ رکھے ہینڈ بیگ سے کچھ ٹٹولنے لگی۔گردن جھکی ہوئی تھی۔

"دعا بھی یہی کہتی تھی کہ فرض جلدی ادا کرنا چاہیے، فرض کی ادائیگی میں تاخیر کبھی نہیں کرنی چاہیے"۔وہ تلخ مسکراہٹ سے مسکرائی تھی۔آج اسے دعا کی بھی یاد آئی تھی۔

"یہی ہمارا قرآن کہتا ہے، اور یہی ہمارا رب، کیونکہ فرض کے مطلق مواخذہ (حساب کتاب اور پوچھ گچ) ہے۔ تالے کی چابی"۔دو چھوٹی چھوٹی چابیاں ایک کی چین میں پڑوئی گئی تھیں۔

اس نے چابی پکڑ لی تھی۔چابی تالا بکس۔۔۔اس میں کیا تھا اس کے لیے کیا کوئی تحفہ تھا۔

"یہ بالکل ویسے ہی ہے جیسے دعا باجی نے مجھے تھمایا تھا، مقفل اور محفوظ، اللہ کی توفیق سے آپ کی امانت میں کوئی خیانت نہیں کی میں نے"۔

اسراء نے اس کے نرم انداز پر غور کیا تھا۔وہ کتنا آہستہ اور نرم انداز میں بات کر رہی تھی۔دعا بھی تو ایسے ہی بات کرتی تھی شائستہ اور نرم لہجے میں، لیکن کچھ لوگوں کے لیے اس کا لہجہ سخت بھی تھا جیسے ان کے کلاس فیلو بوائز

---

"میں اب چلتی ہوں"۔کنزا نے کہتے ہوئے اپنا پرس شانے پہ لٹکایا تھا اور اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"تم اور دعا آپس میں بہت مماثلت رکھتی ہو"۔وہ بھی کھڑی ہوئی تھی۔ڈبہ ہاتھ میں تھا۔

وہ جواباً مسکرائی تھی۔"اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو بالکل ایک جیسی اوصاف سے نوازا ہے"۔انداز ویسا ہی تھا متبسم اور نرم۔

وہ دم بخود رہ گئی تھی۔ایک جیسی اوصاف۔کنزاکب اسے اللہ حافظ کہہ کر لوینگ روم سے نکل گئی تھی اسے اندازہ نہیں ہوا تھا۔وہ ساکت ڈبے کو گھورنے لگی تھی۔ایک جیسی اوصاف وہ دعا جیسی بالکل نہیں تھی وہ بہت مختلف تھی پھر ایمان والوں کی صفات۔۔۔۔۔۔۔ایک جیسی صفات۔۔۔۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سرو قاص نے قرآن کو غلاف چڑھاتے ہوئے ایک نظر اسے دیکھا تھا اور پھر طناب کو گرا لگا کر قرآن شریف کو شیلف پہ رکھ دیا تھا جہاں اور بھی بہت سے قرآن شریف تہہ بہ تہہ رکھے گے تھے۔

وہ گردن جھکائے بیٹھا اپنے ناخنوں کو کھرچ رہا تھا۔چہرا بھیگا اور آنکھیں نم تھیں۔مہرون سی شلوار قمیض میں ملبوس سرو قاص اس کے سامنے آبیٹھے تھے۔اس کے مقابل بالکل اس کے مقابل۔

"کوئی پریشانی ہے بیٹا"۔سرو قاص نے خاموشی کو چیرا تھا۔

اس نے مدھم سا سر اٹھا کر سر و قاص کا چہرا دیکھا تھا۔ نفیس سا چہرا، جھڑیوں سے بھرا پرا پر متبسم۔۔۔۔

"آج بہت طویل گفتگو جاری ہے اپنے خالق سے، کیا کوئی آزمائش آن پڑی ہے"۔

اس کے دل پہ جیسے پتھر لڑھکا تھا۔ آزمائش یعنی امتحان۔۔۔۔۔

"آزمائش، وہ تو مجھے ہمیشہ آزماتا ہے پر ایسی کفیت پہلے کبھی نہیں ہوئی"۔ وہ سرد مہری سے بولا تھا۔ بالکل اس کی طرح اس کی اوآز بھی تھک چکی تھی۔

"تو پھر تو تمہیں خوش ہونا چاہیے کیونکہ وہ تم سے محبت کرتا ہے"۔ انداز خفیف تھا، متبسم انداز۔۔۔۔۔

"وہ اپنی حدیں نہیں جانتی سر، ایسی لڑکی میرا مقدر کیوں بنی جو اسلام نہیں جانتی، اپنا مذہب نہیں جانتی"۔ وہ سب کچھ اگلنے لگا تھا، ٹھنڈے لہجے میں مگر سب کچھ بولنے لگا تھا۔ "جو یہ جانتی کہ اسے اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کیسے کرنی ہے، وہ جو کچھ بھی نہیں جانتی جو ہمارا دین ہمیں سکھاتا ہے"۔ آنکھ کے آنسوں رخساروں پر لڑھکنے لگے تھے۔ وہ آنسوں بہت ٹوٹے ہوئے تھے، بہت شدت سے بہے تھے۔ گویا اس کے اندر ایک طوفان مچ چکا تھا۔

"ایسی لڑکی تمہارا نصیب نہیں ہو سکتی جو کچھ بھی وہ نہ جانتی ہو جو ہمارا دین ہمیں سیکھاتا ہے، کیونکہ یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ میں نے نیک عورتوں کے لیے نیک مرد رکھے ہیں، اس کا مفہوم جانتے ہو نا کیا ہے"۔ وقاص سر نے سرد مہری سے کہا تھا۔ پوری مسجد میں صرف وہ دونوں تھے جو دین کو ٹٹول رہے تھے۔

"اللہ اس میں مومن عورتوں کو تسلی دیتا ہے کہ میں نے نیک عورتوں کے لیے ان جیسے مرد رکھے ہیں یعنی نیک مردوں کے حصے میں بھی۔۔۔۔۔"۔وہ بولتے بولتے رکا تھا۔ماتھے پہ بل ابھرے تھے جیسے کچھ سمجھ آگیا تھا۔" نیک عورتیں ہیں"۔ آخری جملہ کچھ دھیمے انداز میں بولا گیا تھا۔

"بالکل۔۔۔۔"۔سرو قاس فاتحانہ انداز میں بولے تھے۔" ہو سکتا ہے اس میں وہ نہ ہو جو تم چاہتے ہو، ہو سکتا ہے وہ سب سے بے باک ہو اور تمہاری فرمانبردار ہو، ہو سکتا ہے وہ تمہاری نسل آگے لے کر نہ چل سکے لیکن صابر ہو، اور کسی اور سے تمہاری نسل کی بقا کی تمہیں اجازت دے دے، ہو سکتا ہے وہ پردہ نہ کرتی ہو پر پردہ کرنے والی عورت سے بھی زیادہ اپنے دل اور اپنے بستر کو نامحرموں سے پاک رکھتی ہو۔۔۔۔"۔

"اپنے دل اور بستر کو نامحرموں سے پاک رکھتی ہو"۔ آخری جملہ اس کی سماعتوں میں پہاڑ سے پتھر کی مانند ٹکرایا تھا ۔دل اور بستر۔۔۔۔۔اسراء میں یہ صفت اس کی ہر کمی پہ بھاری تھی۔انیس سال پہلے وہ اسے اپنے نام سے منسوخ کر کے آیا تھا اور آج تک مس اسراء کے دل میں صرف وہ تھا اس کی زندگی میں بھی صرف وہ تھا۔حارث کے رشتے سے بھی تو اس نے انکار کیا تھا صرف اس کے لیے۔وہ اس کے ساتھ مخلص تھی ہر مخلص عورت سے مخلص۔۔۔۔۔

"وہ تمہارے ایل وعیال کو خوش رکھتی ہو"۔

آنکھیں خشک ہونے لگی تھیں۔دل شکر الٰہی کرنے لگا تھا، نفس الٰہی کا احسان مند ہونے لگا تھا۔روح کشادہ ہو گئی تھی۔

"لیکن اگر پھر بھی اس میں تمہیں کوئی خوبی نظر نہ آئے، تو، اپنے آپ کو اپنی ذات کے آئینے میں رکھ کر ضرور دیکھو، تمہیں تم میں بھی کوئی خوبی نظر نہیں آئے گی، کیونکہ قرآن واضح دلیل ہے ہر معاملے کی، اور اس نے تمہیں دلیل دے دی وہ ویسا ہی ساتھ تمہیں دے گا جیسے تم خود ہو گے"۔

واضح دلیل مل چکی تھی۔اللہ بہترین انصاف کرنے والا ہے، اس پہ ظلم کیسے کر سکتا تھا۔آنکھوں میں پانی چمکنے لگا تھا ۔وہ کیسے بہک گیا آخر کیسے۔۔۔۔۔۔

سرو قاص مسکرانے لگے۔"ہم ہر کسی کو ان کے عمل پر جج کرنے لگتے ہیں، حالانکہ کسی کو بھی جج کرنا ہمارا، انسانوں کا کام نہیں ہے، یہ تو اللہ کا کام ہے، تمہارے دل میں شکایت تھی زبان پر نہ آئی، لیکن اللہ دلوں کا حال جانتا ہے مگر وہ بخشنے والا مہربان بھی ہے"۔ کہہ کر سرو قاص اس سے دور شیلف پہ رکھے قرآن شریف سیدھے کر کے سلسلہ وار رکھنے لگے تھے۔

عشاہ کی اذان میں ابھی کچھ وقت تھا۔ایک اور نماز۔۔۔دن میں پانچ بار نماز ادا کرنے کے بہانے اللہ کے سامنے پیش ہونا اسے کتنے غموں سے نجات دلا دیتا تھا۔اس کا دل سکون پاتا تھا۔آج بھی ایسا ہی ہوا تھا مغرب کی نماز اور قرآن کی دلیل نے اس کے دل کو سکون دیا تھا اور نفس کو گناہ کرنے سے بچایا تھا۔

کسی کا دل توڑنے سے بچایا تھا پر وہ جس کا دل اس نے دکھا دیا تھا اس کو بھی منانا تھا۔ اس نے سر جھٹک کر سوچوں کو ذہن سے پرے کیا تھا۔ اور سجدے میں سر جھکا دیا تھا، سرو قاص مسکرانے لگے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس نے بیڈ کراؤن کے ساتھ تکیے کھڑے کیے تھے تاکہ نازنین کو ٹیک لگانے میں کوئی دقت محسوس نہ ہو۔"

آپ اپنا خیال کیوں نہیں رکھتیں پھوپھو"۔ لحاف نازنین کے گھٹنوں تک پھیلا دیا تھا۔

"خیال کتنا ہی رکھے بندہ، عمر کے ساتھ ساتھ تو اعصاب جواب دے ہی جاتے ہیں"۔ "ایسا بالکل بھی نہیں ہے، بابا جانی دیکھیں آپ سے بڑے ہیں لیکن پھر بھی آپ سے زیادہ فٹ ہیں، آپ اپنی صحت کا خیال نہیں رکھتیں اس لیے آپ بیمار ہو جاتی ہیں، آپ کو خیال رکھنا چاہیے اپنا"۔ وہ سخت لہجے میں تنبیہ کر رہی تھی۔ آواز ویسے ہی غرائی ہوئی بھاری سی تھی۔

"آوادھر بیٹھو میرے پاس"۔وہ بیڈ کے سائیڈ ٹیبل کے ڈرور سے کچھ ٹٹول رہی تھی جب نازنین نے اس کی کلائی سے پکڑ کر اسے اپنے سامنے بٹھایا تھا۔وہ بغور اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔تیکھے تیکھے نقوش،پتھریلی براؤن شیشے کی آنکھیں جن سے کاجل کسی حد تک بہہ نکلا تھا نا جانے کیوں وہ سمجھ نہیں سکی تھی،پتلی نوکیلی ناک،نرم سپید ملائم چہرا،کھولے کالے لمبے بال شانوں سے دونوں طرف آگئے کو لٹک رہے تھے،پیشانی کو ڈھانپتے ہوئے پف، بلاشبہ وہ ایک خوبصورت لڑکی تھی اور لال رنگ میں اور بھی حسین لگ رہی تھی۔

"تم اور بھی زیادہ پیاری ہو گئی ہو اسراء"۔اس نے اس کے ہاتھ کو نرمی سے مسلا تھا اور پھر ہاتھ اپنے ہاتھوں میں ہی رکھ دیے تھے۔

وہ نرمی سے مسکرادی تھی۔مسکراتا چہرا جھکا اور پھر اٹھا تھا۔

" مجھے اپنا خیال رکھنا کبھی آیا ہی نہیں آ ہی نہیں سکتا"۔ایک تلخ مسکراہٹ ان کے چہرے پہ بکھری تھی پل بھر کے لیے ہاں صرف وہ پل بھر کے لیے ہی بکھری تھی۔

" پہلے تمہارے پھوپھا میرا خیال رکھتے تھے اور پھر ان کے بعد ان کا بیٹا ہے نا میرے پاس،اور دیکھو اج وہ بھی نہیں ہے میرے پاس تو تم ہو"۔

اسراء نے ان کی چمکتی آنکھوں کو دیکھا تھا۔اس بہن کی آنکھوں کو جسے شاید اپنے بھائیوں سے امیدیں تھیں جو برسوں پہلے ٹوٹی تھیں اور اب صرف گلے تھے پر پھر بھی وہ خاموش تھی۔شاید گلے کے لیے بھی ایک بھرم اور مان کی ضرورت ہوتی ہے اور نازنین کا وہ مان برسوں پہلے ہی ٹوٹ گیا تھا۔

"تم مجھے بہت عزیز ہو اسراء، اپنی سب بھتیجیوں سے، بھتیجوں سے، سب سے قریب ہو میرے"۔نازنین نے اس کے نرم رخسار پہ ہاتھ پھیرا تھا۔

" تم اپنی ماں سے بہت مشابہ ہو، بالکل اس کی طرح ہو جہاں جاتی ہو، رونقیں بکھیر دیتی ہو، تم میرے گھر کی رونق ہو"۔وہ اس کی ٹھوری کے نیچے دو انگلیاں رکھے بولی تھی۔

اس نے حیران ہو کر پتلیاں سکیڑ لیں تھیں، اس کی شکل وصورت تو کہیں سے بھی سبین سے مماثلت نہیں رکھتی تھی، بلکہ یعقوب فیملی میں کسی سے بھی مماثلت نہیں رکھتی تھی، وہ شکل وصورت میں اپنی فیملی میں سب سے منفرد تھی۔ وہ سر جھٹکتے ہوئے مسکرا دی تھی۔اپنوں کے ساتھ بیٹھنا، ان کی باتیں سننا، ٹائم گزرانا اسے کبھی بھی بور نہیں کرتے تھے اگرچہ وہ خود بہت کم گو یا ہوا کرتی تھی۔

نازنین نے ٹیک چھوڑ کر آگئے ہوئی تھی۔اس کے ہاتھ اب آزاد تھے۔

گارڈ نے گیٹ کھولا تھا۔کالی کار پورچ میں داخل ہوئی تھی۔

"میرا ازلان بہت اچھا ہے، بہت محبت کرنے والا، فیاض، بانٹنے والا، جس کو ایک بار چاہ لے نا پھر اسے ٹوٹ کر چاہتا ہے، اور وہ مجھ سے زیادہ اور کسی کو نہیں چاہتا"۔

اسراء بغور اس کے فخریہ چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ جس پہ اپنی اولاد کی فرمانبرداری کا فخر تھا۔ چلو جس کے پاس کچھ نہیں تھا اس کے پاس اولاد تو تھی۔

"لیکن میں اس کی اس چاہت سے بھی ڈرتی ہوں"۔

سرسری سی نگاہ کچن کی جانب دہراتے ہوئے وہ سیڑھیوں سے بائیں کی سمت والے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔

"کیونکہ وہ ہر اس شخص سے کٹ اوٹ چاہتا ہے جو اس کی ماں کی عزت نہیں کرتا"۔

دروازہ بجانے کے لیے اٹھے ہوئے ہاتھ یکدم سے روکے تھے۔ گویا وقت کا تقاضا کچھ اور تھا۔ اس نے مدھم سے دروازے کو دھکیلا تھا۔

"یہ تو اچھی بات ہے نا پھوپھو، اس کو کرنا بھی چاہیے آپ نے اس کے لیے اتنا زیادہ سفر کیا ہے زندگی میں، وہ تو اپ کے ایک بھی احسان کا ون پرسنٹ بھی نہیں جھکا سکتا"۔ وہ سرد مہری سے بولی تھی۔

"میں چاہتی ہوں وہ دوسروں پر بھی توجہ دے، تم پر بھی توجہ دے"۔ نازنین نے متبسم انداز میں جواب دیا تھا۔

اس کی آنکھیں متواتر ہوئیں تھیں، اس پر وہ کیوں توجہ دے گا بھلا۔

"وہ اپنے ماموں سے اتنا چڑتا ہے"۔اس کی حلق کرواہٹ امنڈی تھی۔ " اپنے چچا سے اپنے کزنز وغیرہ سے اتنی خار کھاتا ہے کہ کبھی کبھی مجھے خوف آتا ہے"۔

"آپ فکر کیوں کرتی ہیں پھوپھو،وہ سمجھدار ہے"۔اس نے بمشکل اپنی کرواہٹ کو دبایا تھا

"بیٹا تم اس سے دوستی کرنے کی کوشش کرو،وہ تمہاری بات تو سنتا ہے نا، بچپن میں بھی۔۔۔۔۔۔۔۔"

" وہ،وہ کرتا ہے جو اسے درست لگتا ہے، آپ کیوں پریشان ہوتیں ہیں، آپ "۔وہ نازنین کے سینے سے لپٹی تھی ۔"آپ بہت عزیز ہیں پھوپھو۔۔۔"۔آنکھ کے سرے سے ایک آنسوں ٹپکا تھا پھر دوسرا تیسرا اور پھر انگنت آنسوؤں کا سلسلہ جاری ہوا گیا تھا۔وہ اب کیا بتاتی کہ کتنا مختلف ہو گیا تھا وہ جو ٹیچر کی ڈانٹ سے بچانے کے لیے رات رات بھر جاگ کر اس کا ہوم ورک کیا کرتا تھا وہ ازلان تو نا جانے کہاں کھو گیا جو اسے اپنے ساتھ رکھنے کے لیے اپنے بابا سے سو سو بہانے بناتا تھا اب شاید اس سے جان چھوڑانا چاہتا تھا یا شاید چھوڑا چکا تھا اور اب اسے جان چھوڑنی تھی۔ہاں چھوڑنی تھی پر کیسے۔۔۔۔۔۔

"ارے کچھ کہا ہے اس نے تمہیں"۔

"آپ بہت عزیز ہیں پھوپھو،بہت زیادہ"۔اس نے خود کو مزید سکیڑا تھا۔نازنین نے جیسے اسے اپنی باہو میں چھپا لیا تھا۔ایک دو تین ان گنت آنکھوں کے موتی روکے نہیں تھے۔

کمرے میں میدان گرم تھا اور توپوں کا رخ اس کی جانب تھا سو اس وقت میدان میں اترنا اسے بیوقوفی لگی تھی اور وہ بیوقوفیاں قطعی نہیں کرتا تھا، وہ دروازے سے ہی پلٹ گیا تھا۔ ایک نرم و نازک اور بات بات پر آنسوؤں کا انبار کھڑا دینے والی اس لڑکی کو آخر وہ اتنا کیسے بول گیا۔ نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا تھا ایک اسٹپ دوسرا تیسرا اور پھر مسلسل اسٹپ بائی اسٹپ اونچائی۔۔۔۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کمرے میں ادھر اُدھر ٹہلتے ہوئے وہ نا جانے اس عجیب نمبر پر کتنی دفعہ کال ملا چکی تھی۔ اور اب بھی یہ سلسلہ جاری تھا۔۔۔۔۔۔۔00222000

فون کان کے ساتھ لگا تھا۔ وہی عجیب نمبر اسکرین ایک بار جل کے بجی تھی اس نے جھنجلا کر فون بیڈ پہ پٹخا تھا۔

"ہو نہ ہو وہ ضرور آدمی اسی کا بھیجا ہوا تھا، ورنہ اتنے سالوں میں تو میرے ساتھ کبھی ایسا نہیں ہوا، میں ہر جگہ جاتی رہی ہوں، وہ ہمیشہ مجھے ازلان کے بارے میں بدگمان کرتا ہے، بار بار احساس دلاتا ہے کہ اسے میری پروا نہیں ہے ، اسی لیے آج اس نے جان بوجھ کر ازلان کے سامنے یہ سارا سین کریئٹ کیا"۔ بالوں کو پونی نما گول بنا کر دوبارہ

کھولے چھوڑے تھے۔ انکھیں ریڈ ہو چکی تھیں، ناک سرخ۔ لال ڈریس کی جگہ کالے جوڑے نے لے لی تھی ڈائمنڈ کی برسلیٹ ابھی بھی اس کی کلائی میں تھی۔

وہ گہری سانس لیتے ہوئے بیڈ کی پائنتی پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھی تھی۔ گالڈ کی وہ چین جو ہمیشہ اس کی لمبی گردن کی زینت بنی رہتی تھی اور اج بھی تھی۔ جس میں سفید گول ساڈائمنڈ تھا فانوس سے ٹکڑا کر مزید تاب دکھا رہا تھا۔ وہ آنکھیں موندے سوچ رہی تھی شاید آج رونما ہونے والے سانحے کے اوپر اپنی تحقیق کرنا چاہتی تھی۔ نا جانے کیوں پر وہ لڑکا اسے عام نہیں لگا تھا۔

وہ لڑکا جو مال میں اس کے پیچھے بھوکے بھیڑیے کی مانند لپکا تھا وہ عام نہیں تھا۔ وہ اس لڑکے کے پس منظر پہ نا جانے کیوں پر بار بار اس مکھر اچھپانے والے نقاب پوش کو دیکھ رہی تھی۔ اسی بات کی تہہ تک پہنچنے کے لیے وہ بار بار اس نمبر پہ کال ملا رہی تھی۔ پر ایسے ہی اسکرین جل کے بجی اور بس، نا کوئی کال جانے کا پتہ لگ رہا تھا نہ اس بات کا یقین کہ کوئی مصروف ہے یا نمبر بند ہے واٹ ایور۔۔۔۔۔۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کچھ بھی تو نہیں۔۔۔

"وہ نمبر کس کا ہے، کون ہے میرے بارے میں سب کیسے جانتا ہے، میں نے تو اس نمبر کا ماما کو بھی نہیں بتایا، وہ لڑکا جو بھی ہو وہ ضرور کچھ غلط کرے گا میرے ساتھ، اور یقیناً وہ اچھا لڑکا نہیں ہو گا، لیکن لب و لہجے سے تو نہیں لگتا کہ کوئی بلیک ملر ہو گا، لیکن آج جو اس نے حرکت کی ہے وہ تو بلیک ملنگ سے بھی کہیں اوپر کی بات ہے، اف میں کیا

کروں۔۔۔۔۔۔"۔سوچوں کے انبار میں آنکھیں یک دم کھولی تھیں۔وال کلاک پہ دو بج رہے تھے "دو پانچ ۔"۔۔۔۔۔

اس کے پیٹ میں ایک چوہے نے چھلانگ ماری تھی پھر دوسرے اور تیسرے نے،۔۔۔۔۔۔۔وہ رات میں ٹھیک سے کھانہ بھی نہیں کھا سکی تھی۔وہ ڈائنگ ہال میں بھی صرف نقاب پوش کے بارے میں ہی سوچتی رہی تھی ۔محمود اور محسن بزنس کی باتوں میں لگے رہے تھے۔نازنین بھی وقت بہ وقت مداخلت کر رہی تھی مگر وہ خاموش تھی بالکل خاموش۔۔۔۔۔کسی نے اس پر توجہ نہیں دی تھی۔

کوئی ہم پر توجہ نہیں دیتا،اگر ہم سمجھتے ہیں کہ کوئی ہمارے دلوں کے طوفانوں کے بارے میں آگاہ ہے اور ہمارے غم میں غمگین ہونگیں تو یہ ہماری زندگی کی سب سے بڑی خوش فہمی ہے۔کیونکہ کوئی ہمارے غموں سے آگاہ نہیں ہوتا،کوئی بھی نہیں اور شاید کئی دفعہ ہم خود بھی نہیں سمجھ سکتے۔۔۔۔۔۔یہ اس دنیا میں ہماری اہمیت ہے بس یہ ہی ۔۔۔۔۔۔۔

وہ چاولوں کو پلیٹ میں اِدھر اُدھر پھیرتی رہی تھی اور کسی نے اس سے پوچھا نہیں تھا کہ وہ کھانہ کیوں نہیں کھا رہی ۔کھانے کے بعد محمود اور محسن کو کسی میٹنگ کے حوالے سے بات کرنی تھی۔وہ لان میں چلے گے تھے۔نازنین کو کھانے کے بعد مڈیسن کھانی تھی سو وہ اسے لے کر کمرے میں آگئی تھی۔

چاول پلیٹ میں ویسے ہی دھرے تھے۔ان سب میں اسے بھوک کا احساس نہیں ہوا تھا۔ مگر اب اسے شدید بھوک لگنے لگی تھی ۔اس نے گہری سانس اپنے تنفس میں اتارتے ہوئے اسکرین کی تاریکی کو دیکھا تھا۔ہر روشنی سے عاری اسکرین۔۔۔۔

کچھ سوچ کر وہ دروازے کی جانب بڑھی تھی پھر سیڑھیاں اترتے ہوئے کچن میں داخل ہوئی تھی۔پورا لاونج اندھیرے میں گرا تھا۔دیوار پہ لگے بورڈ سے بٹن دبانے پر بلب جل اٹھا تھا۔لاونج کی ہر شے اب شفاف تھی۔ لیکن اس کے دل کا خوف نہیں بجھا تھا اسے کتنی ہی بار یہ وہم ہوا تھا کہ کوئی اس کے پیچھے کھڑا ہے پر اس کے گردن گھوماتے ہی جیسے وہ غائب ہو جاتا تھا۔

ہمت کر کے وہ شلف تک پہنچی تھی،گلاس اٹھا کر اب فریج کی طرف بڑھ رہی تھی پر اتنی رات کو اکیلے وہ جاگ رہی تھی،کوئی بھی آ سکتا تھا کچھ بھی ہو سکتا تھا۔وہ اکیلی تھی اور آج کل تو ویسے بھی بہت کچھ ہو رہا تھا۔

"کیا کر رہی ہو"۔

"ہں۔۔۔۔۔"۔ہاتھ میں پکڑا گلاس فرش سے ٹکرا کر کرچی کرچی ہوا تھا۔

سامنے کھڑا وجود پہلے حیران اور پھر مسکرا دیا تھا۔بلیو ٹی شرٹ اور کالے پاجے میں ملبوس وہ آنکھیں پھلائے بڑی بے نیازی سے اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"تم تھے، ڈرا دیا تم نے مجھے"۔اس نے گہری سانس لیتے ہوئے خود کو بحال کیا تھا۔وہ ازلان احمد تھا اس کا شوہر، وہ جو رات میں اسے دروازے پہ چھوڑ گیا تھا اور کہہ رہا تھا دفع ہو جاؤ۔وہ جو ایک مرد کے اس کی طرف مبذول ہونے کی وجہ سے اسے چھوڑ گیا تھا۔اب کتنا سرد مہری سے کھڑا تھا۔ہر چیز سے بے نیاز۔۔۔۔۔اس کی حلق میں کرواہٹ امنڈی تھی۔اس دن جب اس نے دعا کے متعلق یہ کہا تھا کہ اگر پیسوں کا مسلہ تھا تو وہ خود اس کا علاج کروالے گی تو ایک الگ ازلان احمد نے اسے جواب دیا تھا، جس کی آنکھوں میں وحشت تھی، آج مال میں وہ کسی اور ازلان احمد کے سامنے بے بس کھڑی تھی جس کا احساس بھی اسے خوف زدہ کر رہا تھا۔اور اب اس کے سامنے کون کھڑا تھا کیا ازلان احمد تھا، وہ کونسا ازلان احمد اس سے مخاطب تھا۔۔۔۔۔؟

یہ ادائے بے نیازی کہ وہ میرے دل کو لے کر

بڑی بے رخی سے بولے، کسی کام کا نہیں

وہ شاعرانہ انداز میں کہتے ہوئے شلف تک پہنچا تھا جس سے چند قدم کے فاصلے پر وہ سرخ ناک اور آں کھیں جھکائے کھڑی تھی۔اس نے ایک بار اس کی جھکی گردن اور پھر گلاس کی کرچیوں کو دیکھا تھا۔

"تم کیا ہمیشہ ایسے ہی کرچیاں بکھیر دیتی ہو"۔

"میں تو بہت کوشش کرتی ہوں کہ یہ ہمیشہ جڑی رہیں، لیکن پھر کچھ نہ کچھ ایسا ہو جاتا ہے کہ یہ میرے ہاتھ پھسل کر بکھر جاتی ہیں"۔وہ ایک لمحے کے بعد بولی تھی۔آنسوں ساتھ ہی بہہ نکلے تھے۔

اس کے ماتھے پہ بل ابھرے تھے۔کچھ متذبذب سے اس نے اُس کے آنسو کو اپنی تشہد کی انگلی پہ اٹھالیا تھا۔" مطلب تمہیں ان کو سنبھالنا نہیں آتا"۔وہ دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

"شاید"۔وہ روندی آواز میں بولی تھی۔شاید واقعہ وہ کرچیوں کو سنبھالنا نہیں جانتی تھی۔زندگی کی الجھنے بھی تو بکھری شیشے کی کرچیوں کی مانند ہوتی ہیں، چھوٹی بڑی، باریک، پیچدہ۔کچھ لوگ انھیں سلجھانا سمیٹنا سیکھ جاتے ہیں پر کچھ نہیں سیکھتے پھر وقت انھیں سیکھاتا ہے۔

"کوئی بات نہیں سیکھ جاؤ گی، سب سیکھ جاتے ہیں"۔وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے سینہ تان کے کھڑا ہوا تھا۔جیسے صرف اسے ہی سننے آیا تھا پوری توجہ یکسوئی سے۔

وہ ازلان کی متوجہ نگاہوں کو پڑھنے کی کوشش کر ہی تھی۔پر ان میں شاید کچھ نہیں لکھا تھا یا شاید بہت کچھ لکھا تھا اور اسے سمجھ نہیں آرہا تھا۔"کاش کہ انسان میں تاثرات کی زبان سمجھنے کی صلاحیت ہوتی تو کتنا آسان ہوتا ہر چہرے کو پڑھنا"۔جیسے اس کے اندر سے کوئی بولا تھا پر دل کی بات دل، دل میں ہی دبا گیا تھا۔"پر ایک بار جو چیز ٹوٹ کر بکھر جاتی ہے، وہ پہلے جیسی تو نہیں ہو سکتی نا"۔ایک آنسوں اس کی گال پہ لڑھکا تھا۔باقیوں کو وہ جیسے گلے میں ہی پی گئی تھی۔

"کیا کرنے آئی تھی اس وقت کچن میں"۔اس سے پہلے کہ اسراء یعقوب کا تیسرا آنسوں بھی گال پہ آٹپکے اس نے بات کا پہلو ہی بدل دیا۔

"یہی سوال میں بھی پوچھ سکتی ہوں"۔ گال سے آنسوں پونچھتے ہوئے گویا وہ لڑنے کے لیے تیار تھی۔

"تو پوچھ لو"۔ وہ کندھے اچکاتا ہوا فریج کی طرف بڑھا تھا۔ فریج کا دروازہ کھولا پانی کی بوتل نکالی اور بے نیازی سے ایک بعد ایک گھونٹ منہ میں انڈیلنے لگا۔

اس کے ماتھے پہ بل ابھرے تھے۔ "وری فنی"۔ وہ کہتے ہوئے کچن سے باہر کی جانب گامزن ہوئی تھی۔

"ویسے میں سینڈوِچ بنانے لگا ہوں"۔

اس کے قدم یکدم تھمے تھے۔ سینڈوِچ اسے اپنی بھوک کا خیال آیا تھا اسے مٹانے کے لیے ہی تو وہ کچن میں آئی تھی اور ازلان کے چکر میں وہ بھی بھول کے جا رہی تھی۔ اس نے گردن گھوما کر اسے دیکھا تھا وہ منہ سے بوتل لگائے پانی پی رہا تھا۔ "ویسے تم اب بنا ہی رہے ہو تو، بنالو میرے لیے بھی"۔ وہ متذبذب سے بولی تھی۔

مسکراتے ہوئے اس نے انڈوں کی ٹرے نکال کر شلف پر رکھی تھی۔ انھیں توڑ کر بال میں نکالا تھا۔ "اس کیبنٹ سے براؤ پکڑو"۔

"ہمم"۔ وہ کہتے ہوئے کیبنٹ ٹٹولنے لگی تھی۔ کافی محنت کے بعد اسے براؤ آخر مل ہی گیا تھا۔ "یہ۔۔۔۔ یہ تم نے اس میں پیاز کب ڈالا"۔ اس نے فرائی پین میں بھنتے ہوئے انڈے کو دیکھا تھا۔

"جب آپ ملک میں کرپٹ شدہ خزانہ ڈھونڈ رہیں تھیں"۔وہ اسی طرح اپنے کام میں محو تھا۔اس نے گیس کا فلیم لو کر دیا تھا۔

"کرپٹ شدہ خزانہ"۔وہ خود سے بڑبڑائی تھی۔"کیا مطلب ہے تمہارا کرپٹ شدہ خزانہ،اب یہ تمہارا گھر ہے مجھے تھوڑا ہی پتہ ہو گا کہ کون سی چیز کہاں رکھی ہے"۔شاید وہ اب ہی کرپٹ شدہ خزانے کو مفہوم دے سکی تھی اور بدک اٹھی تھی۔

وہ قہقہ لگا کر ہنسہ تھا۔وہ منہ بسورے کھڑی تھی۔وہ برق رفتاری سے سینڈوِچز کو پلیٹ میں سجا رہا تھا۔اور اب ٹرے کو کچن کے وسط میں رکھے ٹیبل پہ رکھا تھا۔جو ویسے تو سبزی وغیرہ کاٹنے کے لیے استعمال کی جاتی تھی پر اس وقت ان کے لیے ڈائنگ ٹیبل تھی۔

پانی کی بوتل اور گلاس ٹیبل پر منتقل کر کے وہ کرسی پر براجمان ہوا تھا وہ اس کی مقابل کرسی پر بیٹھا تھا۔"کھاؤ"۔اس نے سینڈوِچ اس کی طرف بڑھایا تھا۔اسراء نے بنا کوئی چوں چراں کیے تھام لیا تھا۔اس وقت اسے بھوک لگی تھی اس نے کٹر کٹر کھانہ شروع کر دیا تھا۔

"تم بھی کھاؤ"۔دوسرا سینڈوِچ اٹھاتے ہوئے اسے اچانک یاد آیا تھا کہ ازلان بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھا ہے اور اسے بھی صلح مارنی چاہیے۔

"مجھے بھوک نہیں"۔اس نے بے نیازی سے کہہ ڈالا تھا۔ہاتھ ٹیبل پہ سامنے ایک دوسرے پر دوھرے کر رکھے تھے۔

اس کے منہ کا نوالا ایک لمحے کے لیے حلق میں پھنسا تھا۔"پھر، تم نے بنائے کیوں"۔وہ تذبذب سی بولی تھی۔

"تمہارے لیے"۔

اسراء نے آنکھیں پھلا کر اسے دیکھا تھا۔اور پھر نفی میں سر ہلایا تھا۔ساری بھوک جیسے ایک ہی سینڈ وِچ نے سلب کرلی تھی۔

"کیوں کہ میں جانتا تھا، تمہیں بھوک لگی ہے، اور تمہیں کچھ کھانے کو چاہیے "۔

اس نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں سوال کیا تھا۔وہ جواباً مسکرا دیا تھا۔اس نے ٹوٹے گلاس کی طرف دیکھا تھا۔جو بکھر کر بھی ہر چیز سے بے نیاز پڑھا تھا۔

" یہ گلاس دیکھو"۔وہ نرمی سے بولا تھا۔شام کا لہجہ جتنا سخت تھا اب اتنا ہی نرم تھا۔

اسراء نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں گلاس کو دیکھا تھا کرچی کرچی گلاس کو۔ " اب یہ بکھر چکا ہے، لیکن ایسا نہیں ہے کہ ہم اسے دوبارہ سمیٹ نہیں سکتے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اسے پہلے جیسا نہیں بنا سکیں گے لیکن اسے پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت ضرور بنا سکتے ہیں"۔

اسراء بغور اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ دونوں کی آنکھوں کا تضاد ہوا تھا اس کی گردن جھک گئی تھی۔

" اسراء بہت سے حادثات ایسے ہوتے ہیں جن میں ہمارا قصور نہیں ہوتا، لیکن غلطی ہماری ہی ہوتی ہے، کبھی کبھی موقعے پہ ہمیں سمجھ نہیں بھی آتا، لیکن اگر ہم سانحہ پر دوبارہ ٹھنڈے دماغ سے سوچیں تو ہمیں ہماری غلطی بھی نظر آ ہی جاتی ہے، بس غور و فکر کرنا پڑتا ہے"۔

وہ اس سے کیا کہہ رہا تھا کیوں کہہ رہا تھا اسے کچھ سمجھ نہیں آیا تھا لیکن بہت ہی نرم انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ اسے سمجھا رہا تھا۔ ایک اچھے دوست کی طرح۔ وہ کیا سمجھانا چاہ رہا ہے اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ سانحہ پہ نظر دہراؤ، ٹوٹی ہوئی چیز کو اگر دوبارہ جوڑا جائے تو ہو سکتا ہے وہ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت لگنے لگے۔۔۔۔۔۔ اتنی مشکل باتیں اسے سمجھ نہیں آتی تھیں اور نہ ہی اب آ رہی تھی لیکن وہ بحث نہیں کرتی تھی، وہ خاموش رہتی تھی صرف سامنے والے کو سنتی تھی ہر معاملے میں اور اب وہ یہ ہی کر رہی تھی بنا اس کی باتوں پہ کوئی غور و فکر اور اعتراض کیے۔۔۔۔۔۔۔

"تم جانتی ہو وہ لڑکا پورے ہجوم میں صرف تمہارے ہی پیچھے کیوں آیا"۔

اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"کیونکہ تم بہت خوبصورت ہو، مس اسراء یعقوب بہت حسین ہے اس لیے"۔وہ اس کی بھوری بھوری آنکھوں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔اسراء نے نگاہیں چرالی تھیں، وہ شرمائی نہیں تھی نہ ہی بلش کیا تھا وہ منفرد تھی کچھ الگ۔ ازلان احمد کے گال کے ڈیمپل گہرے ہوئے تھے۔

"ہاہاہا۔۔۔ ہمم، فلمی ہو گئے ہو ازلان احمد، اور ڈائلگز بھی کافی کمال کے بنالیتے ہو تم"۔وہ قہقہہ لگا کے ہنسی تھی۔ تم خوبصورت ہو، حسین ہو یہ جملے اسراء یعقوب کے لیے نئے نہیں تھے۔وہ بہت سے لوگوں یہ جملہ اپنے لیے سن چکی تھی۔ وہ سر پیٹ کر رہ گیا تھا وہ تعریف جو اس نے پہلی بار کسی لڑکی کی تھی، اس لڑکی نے الفاظ ہوا میں اڑائے تھے۔لوگ اپنی محبوبہ کی تعریف میں چاند تارے توڑنے کی باتیں کرتے ہیں اور اس نے روکھے سے انداز میں صرف اس کی خوبصورتی کو سراہا تھا جو دن میں نا جانے اور بھی کتنے ہی لوگ سراہاتے تھے۔

وہ اب بھی پسلیاں دوھری کیے ہنس رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اُف یار ازلان کہاں رہنے لگے ہو تم، دماغ کہاں رہتا ہے تمہارا آج کل، مطلب اتنی اہم فائل گھر میں چھوڑ آئے"۔اُسامہ اس کے سامنی کرسی پہ بیٹھے ماتھے پہ بل چڑھائے بول رہا تھا۔

وہ پیشانی پہ پسماندگی لیے سن رہا تھا۔وہ سر براہی کرسی پہ بیٹھا تھا۔

"ایکسکیوزمی، اپنے جملے پہ زرہ نظر ثانی کرو، گھر چھوڑ کے نہیں گھر رہ گئی ہے، کیونکہ مجھے یاد نہیں رہا"۔اس نے دفاعی انداز میں بولا تھا۔اسامہ کا انداز مزید بپھڑا تھا۔آج اس نے ترکی کی گورسل برانچ کے لیے کی جانے والی ایک ڈیل کے لیے سائن کرنا تھے۔ڈیل کے اصول و قواعد اور انویسٹمنٹ پر دونوں فریقین کے مابین ایک طویل میٹنگ ہو چکی تھی اور اب صرف سائن کرنا باقی تھی۔

ازلان ڈاکومنٹ کی فائل اپنے زیر نگرانی بنوانا چاہتا تھا اس لیے دوسرے فریق سے ایک دن کی مہلت لی گئی تھی ۔وہ فائل اس نے بنوا کر ایک بار ریچیکنگ کے ارداے سے اپنے ساتھ گھر لے گیا تھا اور اس دن وہ واپس لانا بھول گیا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے منہ بنا کے نہ بیٹھو میں لے آتا ہوں ابھی گھر سے"۔وہ کہتے ہوئے سائیڈ ڈرور سے کار کی چابی اور وائلٹ اٹھانے لگا تھا۔

"دیکھا میں نے نہیں کہا تھا تمہارا دماغ کہیں اور ہے اور تم یہاں، مہمان آنے والے ہیں ان کو ریسو کون کرے گا ۔۔۔۔۔"۔اُسامہ نے مصنوعی انداز میں کہا تھا گویا اس نے موقع جانے نہیں دیا تھا۔

"تم"۔بے اختیار اس نے کہا تھا۔

"جی نہیں میں نہیں کروں گا، تم خود کرو تمہارے انویسٹرز ہیں میں کیوں کروں انھیں ریسو۔۔۔۔۔"

"اور ویسے بھی میری نور (اسامہ کی بہن) کے ساتھ کمنٹمنٹ ہے لانچ کی، نہ گیا تو وہ اگلے سال تک میری جان کھاتی رہے گی یار"۔ اسامہ بے نیازی سے کہتے ہوئے کرسی سے اٹھا تھا۔ اپنی بہن کی حکم ادھوری سے وہ واقع بہت ڈرتا تھا کیونکہ بہن وہ واحد لڑکی ہوتی ہے جو بھائیوں کے چاکلیٹ نہ لانے پر بھی اسے پورے دو سال طعنے دیتی رہتی ہے اس کے بعد چاہے اسے پوری زندگی چاکیلٹس ملتی رہیں پر وہ ایک دن کی چوک بھائی کو ساری زندگی بھگتنی پڑتی ہے۔

"میں تو جاوں گا، تم وہ اس کو کیا نام ہے اس کا زلفی، زلفی کو بلالو، وہ لے آئے تمہاری فائل گھر سے"۔ چٹکی بجاتے ہوئے جیسے اس نے مشکل مسلے کا حل ڈھونڈا تھا۔

"پیپر ہے آج اس کا"۔ ازلان نے فاتحانہ انداز میں کہا تھا۔ اسامہ نے ناک چڑھاتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے لیپ ٹاپ پہ کچھ ٹائپ کرنے لگا رخساروں کے ڈیمپل اب کہیں گہرے ہوئے تھے۔ اسامہ ناک چڑھائے بغور اس کے چہرے کو دیکھنے لگا تھا۔

ٹوں ٹوں۔۔۔۔ٹوں ٹوں۔۔۔۔کال بج کے بند ہوئی تھی۔۔۔۔ٹوں ٹوں۔۔۔وہ بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پہ ہاتھ پھیرنے لگی اخر کار موبائل اس کے ہاتھ سے ٹکرایا تھا۔ انگلی مار کر سیل فون کان سے لگالیا تھا۔ "ہیلو۔۔۔۔" وہ ابھی تک نیند سے جاگی نہیں تھی۔

"اسلام علیکم۔۔۔"۔

نرم اور خفیف سی آواز وہ پہلے ہی جملے پہ ازلان احمد کی آواز کو پہچان گئی تھی۔ کل رات وہ ازلان سے بات کرتے ہوئے سوئی تھی اور آج صبح اس کی آواز پہ ہی اس کی آنکھ کھولی تھی۔ یہ کتنا حسین اتفاق تھا۔

اس کی آنکھیں یکدم کھولی تھیں۔ "وعلیکم اسلام"۔ ساری نیند ہوا ہوئی تھی۔

"اسراء تم میرا ایک کام کر دو گی پلیز، اڑجنٹ ہے تھوڑا"۔

"ہاں بولو"۔ اس نے خوشی خوشی ہاں کی تھی۔ ازلان کا کوئی کام کرنے سے بھلا زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو گی۔

"میری سٹڈی میں جاؤ"۔

وہ ماتھے پہ بل چڑھاتے ہوئے بیڈ سے اٹھی تھی، سنہری سلیپرز پہن کر حکم کے مطابق وہ سٹڈی روم میں آئی تھی ڈورناب گھوما کر دروازہ کھولا تھا۔

"یہاں سامنے والی شیلف پہ دیکھو، کوئی بلیو سی فائل ہو گی"۔

اس نے سامنے والی شیلف کو دیکھا تھا جس میں متواتر سلسلے میں کتابیں رکھی گئی تھیں۔

"نہیں، یہاں نہیں ہے ازلان"۔ کتابوں کو ٹٹولنے کے بعد اس نے لہجے میں افسردگی دھرے بولا تھا۔

"اچھا کوئی بات نہیں، ٹیبل کے ڈراورز میں دیکھو"۔

ہمم کہتے ہوئے وہ ڈراورز میں ٹٹولنے لگی تھی۔ فون اسپیکر پر لگا کر ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

"مل گئی"۔

"ہاں مل گئی طفیل انڈسٹریز لکھا ہے نا اوپر"۔ اسے دوسرے ڈروار کو ٹٹولتے ہوئے فائل ملی تھی۔ وہ جھک کر فائل نکال رہی تھی جب فائل کے ساتھ کچھ تصویریں فرش پہ بکھری تھیں۔

"ہاں وہ ہی۔۔۔۔"۔

وہ دوھری ہوئے تصویریں اکٹھی کر رہی تھی۔ لمبے بال فرش کو چھونے لگے تھے۔ بالوں کو ایک جانب لٹکا کر اس نے تصویریں ڈراور میں رکھ دیں تھیں۔ ایک تصویر ابھی باقی تھی جسے اٹھانے کے لیے وہ جھکی تھی اور پھر جیسے اٹھنا بھول گئی تھی۔ کمر سیدھی کرنا بول گئی تھی۔

آنکھوں میں پہلے تشویش اور پھر چمک ابھری تھی۔ تصویر میں موجود دو لوگوں کو تو وہ بخوبی پہچانتی تھی مگر وہ تیسرا چہرا کون تھا جسے ازلان انگوٹھی پہنا رہا تھا۔ گھنگریالے بال، تیکھے نقوش گہرے گلے والی سفید شرٹ اور کالی جینز میں ملبوس وہ لڑکی آخر کون تھی۔ ازلان کالی شرٹ اور براؤن پنٹ میں ملبوس تھا جبکہ اُسامہ پوری شان سے کالا تھری پیس پہنے ہوئے تھا۔

وجود میں کچھ سکت جمع کر کے وہ سیدھی ہوئی تھی۔ اس کی حلق میں کرواہٹ امنڈ آئی تھی۔ تجسس میں اس نے ڈراور میں رکھی تمام تصویروں کو دیکھا تھا۔ ایک میں اسامہ اور ازلان سیم ڈریس میں، دوسری میں ازلان اور

وہ گھنگریالے بالوں والی معمولی شکل وصورت کی حامل وہ لڑکی جو س پی رہی تھی۔۔۔۔وہ کسی ایک ہی فنکشن کی تصویریں تھیں کسی ایک جگہ پہ بنائی گیں تصویریں۔۔۔۔۔۔۔۔اس کا دل جیسے ڈوبنے لگا ہو۔

"ہیلو مس اسراء یعقوب۔۔۔۔۔"۔

"ہوں ہوں۔۔۔۔سن رہی ہوں"۔اس نے بمشکل خود پہ ضبط کیا تھا۔

"میں کہہ رہا ہوں یہ فائل میرے آفیس لے کر آؤ، لکیشن میں نے تمہیں سینڈ کر دی ہے، میرے بیڈ کے سائیڈ ٹیبل ڈراور میں کار کی چابی ہو گی، ڈرائیور ابھی گھر نہیں ہے وہ امی کو لے کر سٹور گیا ہے، تم کار خود ڈرائیو کر لو گی نا"

۔

"ہاں۔۔۔۔کر لوں گی"۔سرد دھیما لہجہ بمشکل اس کی حلق سے پھسلا تھا۔آنسوؤں کے سوکھے پتھر کو بمشکل ہی وہ شکست دے سکی تھی۔آنکھیں سرخ ہونے لگی تھی۔"گڈ۔۔۔۔جلدی لے کر آؤ، یہ میرے لیے بہت ضروری ہے، اللہ حافظ "فون کی اسکرین جل کے بجی تھی۔ایک آنسو اس کے گال پہ لڑھکا تھا۔اس کے لیے تمام تصویریں عام تھیں سوائے اس ایک تصویر کے جس میں ازلان اس لڑکی انگھوٹھی پہنا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پورا ہال سفید پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ کیک کے ارد گرد سفید پھولوں کا ایک جم گفیر جمع تھا، مہمانوں کی آمد آمد شروع ہو چکی تھی۔ بلاشبہ وہ استنبول کے شاہی محلوں میں سے ایک محل تھا۔

آگا صاحب مہمانوں کو رسیو کرنے میں مصروف تھے۔ وہ سفید گہرے گلے والی شرٹ اور کالی جینز میں ملبوس تھی جو معمول کے مطابق گھٹنوں سے یہاں وہاں سے پھٹی ہوئی تھی۔ گنگھریالے بال گردن پر کھولے چھوڑ رکھے تھے۔ وہ پوری محفل کی زینت بنے ادھر اُدھر گھوم رہی تھی جب کالی معمولی سی شرٹ اور براؤن پینٹ میں ملبوس ایک پرنس محفل میں شریک ہوا تھا اور پل بھر میں پوری محفل کی لڑکیوں کی توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔

اس کی ڈریسنگ جتنی معمولی تھی شکل وصورت اور بے نیازی اتنی ہی بے نظیر تھی۔ وہ متبسم لہجے میں تمام لڑکیوں کے دھڑکتے دلوں کو بند کرتا ہوا اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس کی ڈریسنگ اس شاہوں کی محفل میں آنے کے قابل نہیں تھی۔ پر وہ بے نیاز تھا شاید اسے کسی کی پروا نہیں تھی۔ یا شاید اسے یقین تھا کہ اس کی شکل و صورت کی بے نظیری اس کے کپڑوں کے عیبوں کو چھپا دے گی اور بلاشبہ اسے ایک متاثر کن اور پُر کشش شخصیت بنانے کے لیے کافی ہو گی۔

" اسلام علیکم "۔ وہ اس کے سامنے آ رکا تھا۔ بہت سی لڑکیوں کے دل یکدم چلنا بھول گے تھے۔

" آخر تم آ ہی گے "۔ اس نے کشدہ دلی سے اپنا ہاتھ اس کے سامنے لمبا کیا تھا۔ اسامہ لب کاٹ کے رہ گیا تھا۔

"ہاں لیکن بہت تھوڑی دیر کے لیے، میں آدھے گھنٹے تک واپس جاؤں گا"۔وہ ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔چند لمحے انتظار کے بعد اس نے اپنے بازو کو خود ہی سمیٹ لیا تھا۔وہ کبھی اس سے مصافحہ نہیں کرتا تھا اور وہ ہمیشہ اس کے لیے اپنا ہاتھ پھیلاتی تھی اور وہ بے نیازی سے اسے خالی موڑ دیتا تھا۔آج بھی اس نے ایسا ہی کیا تھا۔

"اب تک تمہیں عادت ہو جانی چاہیے تھی اس کی"۔اُسامہ نے منہ بسورتے ہوئے مصنوعی انداز میں کہا تھا۔وہ ازلان احمد کی اس حرکت سے سخت چڑتا تھا وہ اعتراف کرتا تھا کہ ازلان احمد ایک خوبصورت شہزادہ ہے شاید پورے ترکی میں وہ ایک ہی تھا لیکن یہ بھی تھا کہ انیتا آگاہ بھی ترکی کی سلطنت کی شہزادی تھی اب اتنے بھی کیا نکھرے کہ بندہ ہاتھ سے ہاتھ بھی نہ ملائے۔

"ہمم۔۔۔۔"انیتا نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ازلان نے تیوری چڑھاتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا مغرور ناک پہ غصہ دھر آیا تھا۔اسنے ٹائی کو کستے ہوئے ازلان کو نظر انداز کیا تھا جیسا کہ وہ اس کی قاتلانہ نگاہوں کو ہمیشہ کرتا تھا۔

"تمہارا گفٹ"۔اس نے ٹراوزر کی جیب سے ایک لال ڈبی نکال کر اس کی طرف بڑھادی تھی۔اسامہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا ان کو سن رہا تھا۔جب ازلان اور انیتا بات کر رہے ہوتے تھے تو کسی کو مداخلت کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔یہ بات انیتا کو پسند نہیں تھی۔

اس نے بنا کوئی چوں چڑاں کیے ڈبی تھام لی تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ازلان اسے اصرار نہیں کرے گا۔ "آہ رنگ"۔ وہ حیران ہو کر رہ گئی تھی۔

"میں نے کبھی کسی لڑکی کے لیے تحفہ نہیں خریدا سوائے اپنی بہن کے، اسے تو رنگز اور جولری وغیرہ پسند ہیں میرے خیال میں ہر لڑکی کو یہ ہی پسند ہوتا ہے"۔ اس نے بے نیازی سے شانے اچکا دیے تھے۔

"اچھی ہے"۔ انیتا باغ و بہار ہو گئی تھی۔ وہ ازلان احمد سے اس تحفے کی توقع کبھی نہیں کر سکتی تھی۔

"اللہ حافظ"۔ وہ بے نیازی سے کہتا باہر کی جانب چل پڑا۔ بہت سی نگاہوں نے گیٹ تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

"ارے۔۔۔۔۔"۔ وہ آگئے کچھ بول نہیں سکی تھی۔ ازلان اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ کالے تھری پیس میں ملبوس وجود اس کے سامنے آٹکا تھا۔

"وہ نہیں رکے گا، لیکن ہم تو ہیں تھوڑی مہمان نوازی ہماری بھی تو کریں، آخر ہم مہمان ہیں"۔ اس نے جیسے جتلا کر کہا تھا۔

"ہمم۔۔۔ اب اس رنگ کا کیا مطلب سمجھوں"۔ وہ کچھ کنفیوذڈ تھی۔

"کچھ بھی مطلب سمجھو لیکن بعد میں سمجھنا، آج تمہاری برتھ ڈے ہے، اتنا انتظام کیا ہے انجوائے کرو"۔ اس نے سب کچھ ہوا میں اڑانا چاہ تھا۔

"لیکن وہ تو چلا گیا جس کے لیے سنگار تھا"۔وہ تاسف سے کہتی مہمانوں میں گڈ مڈ ہو گئی تھی۔ "تمہارا دوست بہت عجیب ہے"۔اس نے کہتے ہوئے لال مشروب اسامہ کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔

"بہت نہیں وہ کافی عجیب ہے"۔اس نے کہتے ہوئے قہقہ لیا تھا۔انیتا نے ناگواری کی نگاہ اپنے دائیں بائیں دورائی تھی۔تمام سفید پھول جیسے سیاہ ہونے لگے تھے۔وہ نہیں تھا تو سب کچھ جیسے سیاہ ہونے لگا تھا،ہر چیز ویران خالی اپنی خوبصورتی سے عاری۔۔۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نیلی فلک بوس گلاس سے تعمیر شدہ عمارت کو اس نے پوری گردن اٹھا کر دیکھا تھا۔وہ فخر سے قدم اٹھاتے ہوئے زینوں کو عبور کرنے لگی تھی۔اس دن اس نے وائٹ شرٹ،وائٹ ٹراوزر کے اوپر پرپل رنگ کی گھٹنوں کو چھوتی اسکرٹ کے ساتھ مناسب سا میکاپ کر رکھا تھا۔کھولے لمبے بال شانوں سے سامنے کو لٹک رہے تھے۔پف کے بال پیشانی کو ڈھانپ رہے تھے۔قدم بڑھتے بڑھتے عمارت کا داخلی دروازہ عبور کر گئے تھے پھر جیسے کسی لیس پہ جم سے گئے تھے۔

سامنے لابی کی دائیں جانب تین قطاریں تھیں ہر قطار میں تقریباً تیس کیبنٹ سیٹ تھے۔ اختتام شیشے کی دیوار پر ہو رہا تھا اس نے گردن اٹھا کر دیکھا تھا چھت کے گول چکر سے وہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ دوسرے فلور پہ بھی کیبنٹس کی تعداد کچھ اتنی ہی تھی اور پھر تیسرے فلور پہ بھی کچھ ایسے ہی حالات تھے۔

لابی کی بائیں جانب رومز تھے جن کے شیشے کے دروازے تھے۔ اختتام شیشے کی دروازے پہ ہوا تھا۔ دیوار کے اس پار ایک سسٹم تھا جسے وہ سمجھ نہیں سکی تھی، شاید اس پار بھی کچھ ایسا ہی ایک آفیس سیٹ تھا۔ اس نے غور نہیں کیا تھا۔

ہر چیز پہ جیسے قمقموں کی سی تاب چمک رہی تھی۔ ہر کوئی اپنے کام میں مصروف تھا جیسے کسی گھر میں مہمان آنے سے پہلے گھر والے اس کی مدارت کی تیاری میں محو ہوں۔ وہ سامنے کے ہر راستے سے انجان تھی۔ ازلان احمد کا روم کہاں ہو گا اس کے دماغ سے جملہ اٹھا تھا۔ بلیو فائل تین اسٹار والی کو اپنے سینے سے احتیاط سے اپنے سینے سے لگائے وہ ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔

آخری دروازہ کھولا تھا وہ اندر سے نمودار ہوا تھا، اُس کے دائیں جانب میں ایک ایمپلوائے فائل کھولے کچھ وضاحت کر رہا تھا۔ وہ سر و ہاتھ ہلاتے اس کا جواب دے رہا تھا۔ بائیں جانب چلنے والے ایمپلوائے نے کچھ مداخلت کی تھی۔ ازلان نے جواب دینے کے لیے ہاتھ اٹھایا تھا جب اس کی جانب نظریں جمی تھیں۔ اس نے مسکراتے

ہوئے اسے اپنی جانب آنے کا اشارہ کیا تھا۔وہ کھل سی گئی تھی۔رسپشینیٹ نے اسے روکا نہیں تھا۔وہ پھر سے ساتھ کھڑوں کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

"اوکے،یو انڈر سٹینڈ گائز"۔اس نے اختتامی الفاظ ادا کیے تھے۔

وہ جی جی کہتے ہوئے اپنے اپنے کیبنٹس کی طرف چل دیے تھے،ایک روم میں چلا گیا تھا۔اتنے میں وہ اس کے قریب پہنچی تھی۔دو قدم وہ چل کے آیا تھا۔آخر فاصلے یوں ہی تو کٹتے ہیں ایک قدم آپ چلو اور دو قدم مقابل کھڑا ۔۔۔۔۔لیکن اس کے ساتھ ایسا نہیں تھا وہ نا جانے کتنے قدم چل کہ اس تک آئی تھی اور کتنے اور چلنے تھے پر وہ صرف دو چلا تھا صرف دو قدم۔۔۔۔۔

"خوش آمدید"۔کہتے ہوئے ہاتھ اس کی جانب بڑھایا تھا۔

وہ کنفیوزڈ ہوئی تھی لیکن پھر متذبذب سے لب کاٹتے ہوئے ہاتھ نے ہاتھ کو چھوا تھا اور پھر ایک ہی لمحے میں جدا کر لیا تھا۔اور پھر اس نے کتنی ہی بار ہاتھ کی مٹھی کھولی اور بند کی تھی۔جیسے بار ابار ازلان کے لمس کو ہاتھ سے صاف کر رہی ہو۔اسے کسی سے ہاتھ ملانے میں کبھی اتنی دقت نہیں ہوئی تھی جتنی آج ازلان احمد اپنے شوہر کے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے ہوئی تھی۔وہ دن میں نا جانے کتنی ہی بار محسن اور راحیل سے مصافحہ کرتی تھی پر آج نا جانے کیا ہوا تھا۔ازلان کی آنکھوں میں آفسوس اترا تھا۔

"تمہاری فائل"۔گویا وہ منظر بدلنا چاتی تھی۔

"یہیں پہ دے کر جاؤ گی، کچھ کھاؤ گی پیو گی نہیں"۔فائل تھامی نہیں تھی۔

"اگر تم کھلا دو گے تو کھالوں گی، پلا دو گے تو پی لوں گی، یہ تمہارا آفیس ہے، یہاں تو تمہاری مرضی چلتی ہے"۔اس نے واضح تمسخر کیا تھا۔

"میرا آفیس"۔کسی کاغذ پر جیسے قلم گھوما تھا وہ کاغذ جس پر آٹھ مہنے پہلے سائن کر کے اس نے وہ آفیس اس کا بنا دیا تھا۔"چلو آو پھر کچھ کھلاتے پلاتے ہیں آپ کو"۔لفٹ نے پہلا دوسرا فلور عبور کر کے انھیں تیسرے فلور پر چھوڑا تھا۔

ازلان اس کے آگئے تھا اور وہ اس سے دو قدم پیچھے تھی۔وہ اس کے برابر کبھی چل ہی نہیں سکتی تھی۔بچپن میں وہ اسے دور میں پیچھے چھوڑ جاتا تھا اور اب چال میں پیچھے چھوڑ رہا تھا۔وہ ازلان احمد سے کبھی کسی مقابلے میں جیت نہیں سکی تھی۔کبھی نہیں، ہاں ازلان بچپن میں بہت بار اس سے خود ہار جاتا تھا۔۔۔۔

"چلو"۔اس نے سلور کے ہینڈل سے دروازے کو دھکیلتے ہوئے دروازہ کھولا تھا۔اسراء یعقوب نے پہلے اسے اور پھر اندر رکھی شیشے کی میز پہ رکھی نیم پینٹ کو دیکھا تھا۔"ازلان احمد"۔۔۔۔۔ایک سربراہی اور دو سامنے عام کرسیاں تھیں جیسا کہ ہر آفیس میں ہوتا ہے۔وہ اندر داخل ہوئی تھی۔

"سو سوری سر۔۔۔۔"

وہ یکدم موڑی تھی۔اس کی حلق سے کراہ نکلی تھی۔ازلان ایک لمحے کے لیے چونکا تھا۔پھر سامنے کھڑے آدمیوں سے محو گفتگو ہو گیا تھا۔وہ خود کو بحال کرتے ہوئے میز کے سامنے رکھی دو کرسیوں میں سے ایک پہ براجمان ہوئی تھی۔"اُف اسراء تم اپنے شوہر کی آواز پہ ڈر گئی، حد ہے"۔کوئی جیسے اس کے اندر سے بولا تھا۔

"تم کس چیز سے ڈرتی ہو۔۔۔۔۔۔"۔وہ اس کے مقابل سربراہی کرسی پہ بیٹھا تھا۔

"تم کس چیز سے ڈرتی ہو اسراء"۔ایک بار دعا نے بھی اس سے یہ ہی سوال کیا تھا۔

"پتہ نہیں"۔اس نے ازلان کے سوال کا جواب دیا تھا۔

"پتہ نہیں"۔یہ ہی جواب دعا کو بھی دیا تھا۔وہ ایک بار ازلان اور ایک بار دعا کو اپنے سامنے دیکھ رہی تھی جیسے ایک بار حال اور دوسری دفعہ ماضی۔۔۔۔۔

" مطلب تم اتنا کیسے ڈر جاتی ہو، مدھم سی آہٹ پر"۔اس نے دوسرا سوال کیا تھا۔

"تم مدھم سی آہٹ پر یوں کیوں ڈر جاتی ہو، چونک کیوں جاتی ہو فوراً"۔ماضی کی آواز بھی ساتھ ہی گونجی تھی۔

"بس ایسے ہی"۔ازلان کا جواب تھا۔وہ ساکت بیٹھی بولا رہی تھی۔جیسے اس سے نہیں کسی اور سے بات کر رہی ہو۔کوئی ایسا شخص جو ازلان کو نظر نہیں آرہا تھا پر اسے دکھائی دے رہا تھا۔

"بس ایسے ہی کچھ نہیں ہوتا اسراء، ہر چیز کچھ نہ کچھ ہونے سے ہوتی ہے، تم نماز نہیں پڑھتی اس لیے خوف زدہ ہو جاتی ہو، اور آیت الکرسی بھی نہیں پڑھتی تم"۔ دعا نے سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔

"یار دعا تمہاری انھیں باتوں کی وجہ سے، پتہ کل جو تم بیان سن رہی تھی وڈیو میں سورت توبہ والا، جس میں گنہگاروں کے لیے عذاب کی کہانیاں تھیں وہ پوری رات میرے ذہن پہ سوار رہیں ہیں، اس کی وجہ سے میں آہٹ سے بھی ڈر جاتی ہوں"۔ اس نے بدک کر کہا تھا۔

"اس میں سب کچھ سچ تھا کوئی کہانی نہیں تھی، ایسا ہی ہو گا قیامت کا دن"۔ دعا نے ناگوار لہجے میں کہا تھا، دین پہ اسراء کا نظریہ وہ کچھ یوں ہی ٹھکراتی تھی۔

"نہیں میں کس بات سے خوف زدہ ہونگی بھلا، میرے بھائی ہیں، میرے بابا ہیں میری ماما سب اتنی محبت کرنے والے ہیں کس بات کا خوف کھاؤں گی، پاگل لڑکی۔۔۔۔۔"۔ وہ کہتے ہوئے چبوترے سے اٹھی تھی اور لمبے لمبے ڈگ بھر کے چلنے لگی تھی۔

"کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ، وہ تمہارے ہی ہوں اور تم ان کی نہ ہو، کسی اور کی ہو جاؤ، تب تمہیں خوف نہیں آئے گا"۔ دعا نے بلند آواز میں بولا تھا اسراء نے گردن موڑ کر دیکھا تھا۔ بال شانوں سے اڑنے لگے تھے۔ ہوا کا تیز جھونکا آیا تھا اور ہر چیز کو اڑا لے گیا تھا ماضی کی ہر یاد کو۔۔۔۔۔۔

"کیا بس ایسے ہی۔۔۔۔۔۔؟"۔ازلان نے اس کا ہاتھ تھپتپایا تھا۔وہ مسکرائی اور پھر کھلکھلا کے ہنسی تھی شاید وہ حواس میں نہیں تھی۔

"بس ایسے ہی، تمہیں پتہ ہے دعا اس کا کیا جواب دیتی دی تھی، اسراء ایسے ہی کچھ نہیں ہوتا اور پھر۔۔۔۔۔۔۔۔" قہقہہ۔۔۔"ہر چیز کچھ نہ کچھ ہونے سے ہوتی ہے"۔

"مطلب"۔وہ نا سمجھی کے انداز میں بولا تھا۔دونوں ہاتھ ٹیبل پہ ٹکا دیے تھے۔ماتھے پہ بل ابھرے تھے۔

"مطلب، وہ بھی مجھ سے یہ ہی سوال کرتی تھی، اور پتہ ہے پھر خود ہی اس کا جواب بھی دے دیتی تھی"۔لہجے میں آفسوس دھر آیا تھا۔ہے کی جگہ تھا بہت تکلیف دہ تھا۔ہنسی کی جگہ آفسوس اکثر تکلیف دہ ہی ہوتا ہے۔

"وہ کہتی تھی اسراء کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ جب سب تمہارے ہوں اور تم اُن کی نہ ہو، کسی اور کی ہو جاؤ تب تمہیں خوف نہیں آئے گا"۔اس نے مدھم لہجے میں کہا تھا۔اب دعا اس سے کبھی بات نہیں کر سکے گی اس حقیقت پہ تو اسراء یعقوب کو ایک لمحے بھی صبر نہیں آیا تھا۔آنکھوں میں ایک سمندر ابل پڑا تھا۔

"پھر تم کیا کہتی تھی"۔وہ مزید سننا چاہتا تھا۔

"کچھ نہیں، یہ اس کی سوچ تھی اور میں اس پہ خاموش رہتی تھی، پر اس کے جانے کے بعد کسی نے مجھ سے ایسی بات نہیں کی، مجھے اس کی بہت یاد آتی ہے کوئی اس کا سا سوال کرے تب بھی نہ کرے تب بھی"۔ایک آنسوں لڑھک کر اس کی گال پہ گرا تھا اور دوسرا گرنے کے لیے تیار تھا۔

ازلان خاموشی سے اسے سن رہا تھا، وہ اسے سننا چاہتا تھا اس کا درد بانٹنا چاہتا تھا۔

"جس دن سے وہ گئی ہے میں اپنی زندگی میں ہونے والے واقعات کو اس کی بات سے ریلیٹ کرنے لگی ہوں، اور اُلجھ جاتی ہوں، میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں وہ، وہ مجھ سے بات نہیں کرتی، کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا وہ مجھ سے بات کر رہی ہوتی تھی تو میں، میں اُسے کہتی تھی پلیز کوئی اور بات کرو یہ بہت بورنگ موضوع ہے اور وہ خاموش ہو جاتی تھی، اس کا دل ٹوٹتا تھا لیکن وہ مجھ سے ناراض نہیں ہوتی تھی اب وہ نہیں بولتی کوئی بات نہیں کرتی"۔ آنسوں سسکیوں میں بدلنے لگے تھے۔ وہ نا جانے یہ سب کچھ بول رہی تھی لیکن وہ بول رہی تھی۔ چند لمحے پہلے وہ خوش تھی ازلان کے آفیس آنے کے لیے بے تاب تھی اور پھر وہ خوش تھی ازلان کے آفیس کو دیکھ کر، ازلان کو دیکھ کر۔۔۔۔۔۔ لیکن ہر خوشی کے ساتھ ایک تلخ یاد ضرور جڑی ہوتی تھی۔ اس واقع میں بھی تھی لیکن کچھ یادیں اکثر منظر بدل دیتیں ہیں حال بدل دیتی ہیں مستقبل کے لیے سوچ بدل دیتی ہیں دعا کی یاد بھی اس لمحے کچھ ایسی ہی تھی۔

اس کی آنکھوں میں نمی امنڈی تھی۔ دعا کے جانے کا اسے بھی حد سے زیادہ صدمہ تھا لیکن وہ کسی کے سامنے یوں اپنے غم کا سوگ نہیں منا سکتا تھا اسے مضبوط رہنا تھا اور اسے سنبھالنا تھا جس کے آنسوؤں کا غم اسے ہر چیز سے زیادہ کاٹ دار لگتا تھا جو سب سے تیز خنجر تھے اور اس کے دل پہ ہر تیر سے زیادہ گہرے کھوبتے تھے۔

" مجھے یقین نہیں آتا کہ، اس کی ڈیتھ ہو گئی ہے، مطلب دعا کی ڈیتھ ہو گئی "۔ وہ کہتے ہوئے جیسے بے اختیار ہو رہی تھی۔

"منظر یونہی بدل جاتے ہیں، چاہے ہم یقین کریں یا نہ کریں "۔ وہ افسردگی میں مسکرایا تھا۔

"کچھ آرڈر کریں "۔ اس نے استہزائیہ انداز میں اسراء کی جانب دیکھا تھا۔

اسراء نے گال سے آنسوؤں رگڑتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ ماتھے پہ تیوری چڑھ گئی تھی۔

"ہاں بھئی میں ڈرتا ہوں، کچھ دیر میں آپ کے محمود بھائی آنے والے ہیں، اگر آپ ان کے سامنے یوں روئیں گیں ، وہ تو میری واٹ لگا دیں گے، اور ابھی مجھے بھوک بھی لگ رہی ہے میرا پیٹ مجھے بد عائیں دے رہا ہے، پلیز کچھ کھا لیں۔۔۔۔۔۔ "۔ وہ اسی طرح مظلوم ہونے کی اداکارہ کر رہا تھا اسراء کو وہ ننھا بے بی معلوم ہو رہا تھا۔ اسراء قہقہ لگا کہ ہنس دی تھی۔ وہ بھی مسکرانے لگا تھا۔۔۔۔ غموں میں اسراء کے لیے مہکوں کے پھول لگانا تو وہ بچپن سے ہی خوب جانتا تھا اور یہ اس کے لیے اب بھی مشکل نہیں تھا۔

"کچھ آرڈر کر لیں "۔ کہتے ہوئے اس نے رسیور اٹھا کے کان سے لگایا تھا۔ اسراء بیٹھے بیٹھے ادھر اُدھر دائیں بائیں آفیس کا معائنہ کرنے لگی تھی۔ پھر وہ یہاں وہاں، موسم کی گفتگو اور پھر اور بہت سی باتیں کرنے لگے تھے۔ آج ہی وہ دن تھا جس دن ازلان احمد نے اسراء یعقوب سے کھل کے بہت سی باتیں کی تھیں اور آج ہی وہ دن تھا جس دن

ازلان احمد کی ظہر کی نماز چھوٹی تھی ااور ساتھ ہی قرآن کی تلاوت بھی۔۔۔۔وال کلاک پہ دن کے ساڑھے چار بج چکے تھے۔ لیکن وہ خوش تھاناجانے کیوں پر وہ خوش تھا۔وہ نماز کے چھوٹ جانے کے بعد بھی خوش تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حصہ دوم

لفٹ نے اسے واپس پہلے فلور پہ چھوڑا تھا۔ دروازہ درمیان سے اوپن ہونا اسٹارٹ ہوا تھا۔وہ باہر نکلی تھی اور لابی سے ہوتے ہوئے خارجی دروازے کی جانب بڑھ رہی تھی۔کافی کیبنٹس ورکرز سے خالی ہو چکے تھے۔کچھ ورکرز اپناکام نپٹانے کی جلدی میں تھے۔وہ ان سب سے بے نیاز دروازے کی طرف گامزن تھی۔دن ڈھلنے کو تھاوہ اور ازلان ایک ساتھ ہی گھر جاتے اگر ازلان کی ضروری میٹنگ بیچ میں نہ آتی۔۔۔۔۔

ایک بدتمیز اور بدمزاج لڑکی ناجانے کب سے رسیپشنیٹ سے الجھ رہی تھی اور بدتمیزی کر رہی تھی۔کم سے کم اسراء یعقوب تو ایسا ہی لگا تھا۔اس نے لفٹ سے نکلتے ہی نوٹ کیا تھا پر وہ گرین جیکٹ اور کالی جینز والی لڑکی اب بھی ویسے ہی زبردستی کر رہی تھی۔

"ایکسکیوزمی۔۔۔۔"۔اس نے پیچھے سے پکارا تھا۔

لڑکی نے آواز کے تعاقب میں پشت گھومائی تھی۔رسپشنیٹ نے رسیور کی جانب لپک کر تیز تیز بٹن دبا کر رسیور کان سے لگالیا تھا۔

گھنگریالے بال، مغرور ناک، تراش کی ہوئی آئی برو۔اسراء یعقوب ایک ہی نظر میں وہ چہرا پہچان گئی تھی۔وہ سفید شرٹ والی لڑکی اور کالی شرٹ والا ازلان اسے انگوٹھی پہنا رہا تھا۔اسے تصویر والا چہرا یاد آیا تھا۔

سامنے وال کی نگاہوں کے زاویے بھی کچھ مختلف نہ تھے، دونوں کی نظریں سوالیہ تھیں، دونوں کے ماتھے پہ بل تھے، دونوں کے پاس سوال تھے۔

" آپ کون ہیں؟۔۔۔۔۔"۔انیتا پوچھے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر وہ انگریزی میں بولی تھی۔انیتا آگا کو وہ مال والی لڑکی کل سے کھٹک رہی تھی، اور اب وہ اس کے سامنے تھی، یہ ایک اتفاق تھا، ایک غنیمت موقعہ، وہ تعلق جانے بغیر کیسے رہ سکتی تھی۔

"میں۔۔۔میں ازلان احمد کی کزن"۔اس نے بھی انگریزی میں جواب دیا تھا۔

" میں ازلان احمد کی منگیتر ہوں"۔اس نے پوری قوت سے چلا کر کہا تھا۔جیسے یہ جتا رہی ہو کہ ازلان احمد سے کسی بھی قسم کے کوئی اور تعلق کی خوش فہمی نہ رکھے کیونکہ اس کی منگنی ہو چکی ہے۔

اسراء کو جیسے دھچکا لگا تھا۔ سانس جیسے چلنا بھول گئی تھی اور دل دھڑکنا۔ وہ خود کا توازن برقرار نہیں رکھ سکی تھی، اس کے قدم لڑکھڑا کر اپنی جگہ سے ہٹے تھے۔

کہنے والی کہہ کر لفٹ کی جانب لمبے لمبے ڈگ بھر رہی تھی۔ ریشنیٹ اُس کے پیچھے لپکی تھی۔

اس کے لیے تمام آوازیں جیسے بند ہونے لگیں تھیں صرف بے آواز ایک مووی تھی جو اس کو سامنے چل رہی تھی اور وہ ان سب سے بے خبر تھی۔ اس دن وہ رو بھی نہیں سکی تھی جیسے آنسوں سوکھی گلٹی بن کر اس کے حلق میں پھنس گئے تھے پر پھر بھی دونوں رخساروں پہ لڑھک رہے تھے۔ بے آواز ہر چیز سے عاری آنسوں۔۔۔

اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ ازلان کی مینگتر سے ملی ہے۔۔۔۔۔ یعنی ازلان کی حقیقت سے جا متعارف ہوئی ہے، وہ کیبنٹ سے ٹیک لگائے کھڑی رہ گئی تھی۔ ساکت بالکل ساکت۔۔۔۔

وہ ہی تو کھڑی رہ گئی تھی ازلان تو نا جانے کب کا چلنے لگا تھا، شاید کا لفظ بیچ سے آج نکل چکا تھا، وہ شاید جو اس کی امید تھا، ہر سوال میں سے شاید غائب ہو گیا تھا۔ وہ لڑھکتی سنبھلتی کار کی ڈرائیونگ سیٹ تک آئی تھی اور پھر دروازہ کھول کر اس پہ آگری تھی۔

اس کی سانس رکنے لگی تھی، یقین ٹوٹنے لگا تھا، امید ختم ہونے لگے تھی۔۔۔ اس کی پاؤں کی زمین جیسے کھسک چکی تھی کھنچ چکی تھی جیسے کسی نے کھینچ کر جسم سے روح نکالی ہو۔۔۔ ہاں وہ روح کھینچنے کی سی ہی تو تکلیف تھی۔۔۔۔۔ وہ اسٹرینگ وہیل کو دبائے ساکت بیٹھی تھی۔

"کیا ازلان اپنے نکاح کو بھول گیا ہو گا"؟

"ہاں"۔جواب سامنے تھا۔

"وہ اسے نہیں چاہتا"؟

"نہیں"۔بنارو کے جواب سامنے تھے۔

"وہ بچپن والا ازلان نہیں ہے جو اسراء کے لیے تڑپے"۔

"بالکل۔۔۔۔۔۔"۔

سارے جواب اس کے سامنے تھے۔وہ جواب جنھیں پانے کی وہ کبھی خواہش کرتی تھی اس کی آنکھوں کے سامنے تھے۔وہ چیخ چیخ کر رونے لگی تھی۔سر اسٹرینگ وہیل پر ٹکائے وہ خوب پھٹ کر رونے لگی تھی،برسوں پہلے سے جو چنگاری اس کے دل میں سلگ رہی تھی آج جو وہ بجی تو وہ روئی تھی،اور ایسا روئی تھی کہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں روئی تھی۔آج اس کی ہر امید ٹوٹی تھی وہ خود بکھری تھی تو اسراء یعقوب روئی تھی،وہ خوب روئی تھی اس چیز سے بے نیاز کہ وہ ایک سڑک کے کنارے کھڑی ایک کار میں بیٹھی ہے

ابھی کچھ دیر پہلے وہ بہت خوش تھی،ازلان احمد سے خوب باتیں کر رہی تھی،لیکن ہر خوشی کے ساتھ ایک تلخ یاد ضرور جڑی ہوتی تھی۔اس واقع میں تھی لیکن کچھ یادیں اکثر منظر بدل دیتیں ہیں حال بدل دیتی ہیں مستقبل کے

لیے سوچ بدل دیتی ہیں۔۔۔۔وہ پھوٹ پھوٹ کر بلک بلک کر رو رہی تھی۔دن سے شام آئی اور اب پہر تھا سیاہ رات کا اندھیرے کا پہر اور وہ آ گیا پورے اسلام آباد میں بھی اور شاید اس کی زندگی میں بھی۔

دن کا رات بننا اور رات کا دن بننا تو قدرتی دستور ہے یہ دستور صرف موسم میں ہی نہیں ہماری زندگی میں کا بھی یہ ہی قائدہ ہے اگر کوئی سمجھے تو"لیکن کچھ لوگ نہیں سمجھتے پھر وقت انھیں سمجھاتا ہے"۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ رو رہی تھی آج بلک بلک کر رو رہی تھی ہر دن ہر رات ہر روشنی اور اندھیرے سے بے نیاز ہو کر۔۔۔۔۔۔۔۔ہر چیز سے بے نیاز اسراء یعقوب۔۔۔۔۔مسز ازلان احمد۔۔۔۔۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"آخر میں نے تمہیں ڈھونڈ ہی لیا"۔وہ دھرلے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔

ازلان جو لیپ ٹاپ کی اسکرین پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا،یکدم سے چونک کر اسے دیکھا تھا۔اس کی آنکھوں میں حیرانی امنڈی تھی،بے یقینی دھر آئی تھی۔

"سر میں نے کوشش کی لیکن یہ محترمہ۔۔۔۔"اس سے پہلے کہ رسپشنیٹ اپنا جملہ مکمل کرتی،ازلان نے اسے جانے کا اشارہ کر دیا تھا۔وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے روم سے باہر نکلی تھی۔

"تم"۔اب وہ پوری طرح اس کی جانب متوجہ تھا۔"یہاں، پاکستان میں"۔حیرانگی برقرار تھی۔

"ہاں میں، تمہیں کیا لگا تھا، میں پاکستان نہیں آسکتی، تمہارے لیے تو میں پڑتال میں بھی جاسکتی ہوں"۔وہ فاتحانہ انداز میں کہتے ہوئے اس کی میز پہ دوھری جھکی تھی۔

اس کی دائیں آئی بروبے اختیار اوپر کو اٹھی تھی۔"تمہیں میرے آفیس کا پتہ کس نے دیا"۔وہ بے نیازی سے لیپ ٹاپ کے ٹچ پیڈ پر انگلی مارنے لگا تھا۔

"شہرت کا سب سے بڑا نقصان ہی یہ ہے، کچھ بھی راز نہیں رہتا، اور تم پاکستان میں تو کیا ترکی تک مشہور ہو"۔وہ کہتے ہوئے سیدھی کرسی پہ بیٹھی تھی۔ٹیبل پہ رکھے ہینڈ بیگ سے جو اس نے دوھرے ہوتے وقت شیشے رکھ دیا تھا، ایک سگریٹ نکالی اور ہاتھ میں پکڑے لیٹر سے سلگالی تھی۔

"تم نہیں جانتے، اتنا تو تمہیں تمہارے دوست بھی یاد نہیں کرتے ہونگے، جتنا وہاں ترکی میں تمہارا ذکر ہوتا ہے"۔اس نے آگا صاحب کی جانب اشارہ کیا تھا۔

اس نے کوئی ردِ عمل نہیں دیا تھا۔

"ہمم۔۔۔آفیس بہت پیارا ہے تمہارا، ہر چیز تمہارے اعلیٰ ذوق کی نمائندگی کرتی ہے"۔وہ تنقیدی نگاہ پورے آفیس میں دوڑاتے ہوئے بولی تھی۔

"انیتا، تم یہاں کیوں ہو"۔اس نے لیپ ٹاپ کی اسکرین کو ٹھپ سے بند کیا تھا جیسے اس کی فالتو بکواس سے تنگ آ گیا تھا۔

"میں تمہارے لیے آئی ہوں"۔وہ تڑپ کے بولی تھی۔

"میرے لیے، میرے لیے کیوں، میں نے تمہیں نہیں بلایا"۔وہ یکدم کرسی سے اٹھا تھا۔

"تم ترکی سے یہاں آ گئے پاکستان، ہر کانٹیکٹ تم نے ختم کر دیا، مجھے تمہیں دیکھنا تھا، میں مس کرتی ہوں تمہیں"۔ وہ کہتے ہوئے اپنی کرسی سے اٹھی تھی۔سگرٹ چمکیلے فرش پہ گرا دیا تھا۔

"میری بات سنو انیتا، اور دھیان سے ایک ہی بار سن لو، میں، میں تم سے کبھی کوئی تعلق نہیں بنا سکتا، سوائے ایک اچھے دوست کے، بلکہ ہم دوست بھی نہیں بن سکتے، میرا نکاح ہو چکا ہے، یار ایک بیوی ہے میری"۔وہ شانے اچکاتے ہوئے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"میں نے کبھی تمہیں کوئی امید نہیں دلائی، تمہارے پہلی بار پرپوز کرنے پر ہی میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ میرا نکاح ہو چکا ہے، میں تم سے شادی نہیں کر سکتا"۔

انیتا ٹکی باندھے اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔"اچھا تو پھر وہ رنگ کیوں دی تم نے مجھے"۔وہ کچھ یاد کرتے ہوئے بولی تھی۔

"کونسی رنگ" وہ ایک لمحے کے لیے رکا تھا۔

" وہ جو میں نے تمہاری برتھ ڈے پر دی تھی، وہ صرف ایک تحفہ تھا وہ بھی صرف میں رسماً دیا تھا، دوستی کے تعلق کی بنا پر بھی نہیں دیا تھا، اس ایک تحفے کی پلیز مجھے اتنی سزا مت دو پلیز، فار گاڈ سیک انیتا"۔ وہ التجا کر رہا تھا۔ اس روز روز کی چک چک سے وہ تنگ آنے لگا تھا۔ انیتا سے، انیتا کے باپ سے اور اس سکندر سے اسراء کو محفوظ رکھنے کے لیے اس نے خود کو اُس سے دور کر لیا تھا۔ مگر اب بس اس کی انف والی سٹیج چل رہی تھی اور وہ یہ سب ختم کرنا چاہتا تھا۔

"اسراء یعقوب عرف تُراب نام ہے نا، تمہاری بیوی کا"۔ وہ گہری سانس لیتے ہوئے اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی تھی

وہ خاموش جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔

"کیا بہت خوب صورت ہے وہ"۔

رقص کرتی انگلیاں، پیچھے کی جانب اڑتی کالی زلفیں، کھکھلاتے ہونٹ، لمبی سفید گردن میں گلڈ کی چین میں پرویا ہوا وائٹ موتی، اس کے سامنے وہ مال والی دراز قد لڑکی کی تصویر امنڈنے لگی تھی وہ لڑکی جس کو دیکھ کر وہ پہلی بار بے اختیار ہوا تھا۔

"میں نے کیا نہیں کیا تمہارے لیے، لیکن تم نہیں مانے، یہ بتاؤ تمہیں ڈر نہیں لگتا مرنے سے"۔اس نے اپنی غضب ناک آنکھوں سے ازلان احمد کی پُر سکون نگاہوں میں جھانکا تھا جن میں واقع کوئی خوف نہیں تھا۔

"ایک بات یاد رکھنا ازلان احمد، پہلے تم میری چاہت تھے اب میری ضد بن چکے ہو، اور جو چیز انیتا آگاہ کی ضد بن جائے وہ اسے چاہیے ہر حال میں کیسے بھی"۔

وہ خاموش کھڑا سن رہا تھا۔انیتا آگا سے وہ یہ دھمکی پہلے بھی بہت بار سن چکا تھا۔

"تم اگر پیار کی زبان نہیں سمجھ رہے تو ٹھیک ہے، میں تمہیں اتنا مجبور کر دوں گی کہ تم خود اسراء کو طلاق دو گے، تمہاری بنیادوں کو اس طرح ہلا دوں گی کہ تم ٹوٹ کر بکھر جاؤ گے، کوئی تمہیں سہارا دینے والا نہیں ہو گا"۔وہ دہشت زدہ آواز میں کہتی ہوئی میز سے پرس اٹھاتے ہوئے آفیس کے کمرے سے باہر نکلی تھی۔رسیپشنیٹ آفیس میں داخل ہوئی تھی اور پھر ہاتھ ہلا ہلا کچھ وضاحت دینے لگی تھی مگر اس کے لیے جیسے ساری آوازیں بند ہو گئیں تھیں۔انیتا کے جملے کسی گرہ کی طرح اس کے کانوں سے بندھ گے تھے۔وہ نرم قدموں پہ چلتا ہوا اپنی کرسی پہ بیٹھا تھا۔اور پھر سر میز پہ جھکا دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"جو کوئی قرآن کھولے اور پھر اس کی آیتوں کو سمجھ سمجھ کر پڑھے اور پھر بھی بھٹک جائے تو وہ اصل میں بیوقوف ہوتے ہیں، وہ اپنی نفسانی خواہش کی طرف جھک جاتے ہیں کسی کو احساس ہو جاتا ہے کسی کو نہیں، لیکن اللہ ان دونوں کو اپنی طرف لوٹنے کا ایک موقع ضرور دیتا ہے۔ مگر کوئی سمجھ جاتا ہے کوئی نہیں سمجھتا، کوئی پلٹ جاتا ہے کوئی نہیں پلٹتا۔۔۔"۔ سرو قاص بچوں کے جھرمٹ میں بیٹھے بول رہے تھے۔ وہ بچے مسجد میں قرآن حفظ کرنے کے لیے آتے تھے۔ سرو قاص ان بچوں کو قرآن حفظ کرواتے تھے۔ وہ جھرمٹ سے پڑے بیٹھے قرآن کی تلاوت کر رہا تھا۔ سرو قاص کے جملے اس کی سماعتوں میں گونجنے لگے تھے۔

"اللہ جب تم لوگوں کو اپنی عبادت کی توفیق دیتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ آپ اس کا محبوب بندہ رہو، لیکن جب وہ تم سے اس کی توفیق چھین لے تو ضرور وہ آپ سے ناراض ہو جاتا ہے"۔

اس کے دل پہ جیسے کیل چبھا تھا۔ آج اس کی ظہر اور عصر کی نماز رہ گئی تھی۔ قرآن کی عبادت بھی آج کے دن قدرے کم ہو سکی تھی۔ اس نے قرآن کے کالے لفظوں کو دیکھا تھا۔ تاثیر والے الفاظ، جواب دینے والے، سوال کرنے والے۔۔۔۔۔

"لیکن سر اللہ ہم سے اپنی عبادت کی توفیق کیوں چھین لے گا"۔ کسی بچے نے ننھی معصوم آواز میں سوال کیا تھا۔ اس کا سوال بھی یہ ہی تھا۔

"ہم خطاکار اور گناہ گار ہیں، ہم کوئی نہ کوئی گناہ کر دیتے ہیں جس کی وجہ وہ ہم سے تھوڑا ناراض ہو جاتا ہے، لیکن اللہ ہر گناہ گار سے ناراض نہیں ہوتا، اللہ صرف اس گناہ گار سے ناراض ہوتا ہے جو گناہ کرنے کے بعد دل سے نادم نہ ہو، اپنے گناہ کرنے پر شرمندہ نہ ہو اور اللہ سے معافی نہ مانگے۔۔۔۔"۔ سرو قاص نفیس نرم آواز میں جواب دے رہے تھے۔

اس نے ظہر کی نماز ادا نہیں کی تھی اور پھر اس کے چھوٹ جانے پہ اس کا دل ایک بار بھی دھڑکنا نہیں بھولا تھا، یہ احساس نہیں جاگا تھا کہ اس سے کچھ اہم چھوٹا ہے۔ تو کیا اللہ اس سے ناراض ہو گیا تھا، اس لیے شاید وہ عصر، مغرب کی نماز بھی ادا نہیں کر سکا تھا۔ اللہ نے اس کو توفیق نہیں دی تھی۔

"لیکن اگر ہم اپنے گناہ کی معافی مانگ لیں تو وہ ہمیں معاف کر دیتا ہے"۔

اس نے آنسوؤں کو پیتے ہوئے قرآن کے الفاظ دیکھے تھے۔ وہ ویسے ہے تھے کالے اور خاموش، مگر باعثِ سکون ۔۔۔۔۔۔

"کتنی بار۔۔۔۔۔۔"معصوم آواز میں ایک اور سوال گونجا تھا۔

"تم جتنی بار گناہ کر کے معافی مانگو گے، یعنی کہ ہر بار"۔ ٹھنڈا مگر پُر اعتماد لہجہ، ازلان احمد نے بھیگی آنکھوں کے ساتھ سرو قاص کے چہرے کو دیکھا تھا۔ خالقِ حقیقی پر جن کا یقین کامل ہوتا ہے وہ کبھی بے اعتماد نہیں ہوتے، سرو قاص کیسے ہو سکتے تھے۔ اور وہ کیسا ہو گا اسے بھی یقین تھا اپنے رب پر اب صرف اسے اپنے رب کو منانا تھا، راضی

کرنا تھا، معافی مانگنا تھی۔ قرآن کو ایک طرف رکھ کر وہ سجدے میں گر گیا تھا۔ اور پھر نا جانے وہ کتنے ہی آنسوں بہا نے لگا تھا۔ یہ آنسو بہنے ہی تھے۔ ایک عاشق کو یوں غفلت پر اپنے محبوب کے ہاں یہ آنسوں بہانے ہی تھے، کیونکہ عشق لمحے بھر کی غفلت بھی گوارا نہیں کرتا۔۔۔۔۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"سدرہ بیٹا اسراء کو بلوالاؤں ناشتے کے لیے"۔ نازنین نے ڈائنگ میز کی سربراہی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

محسن اور محمود بھی ڈائنگ ہال میں داخل ہوئے تھے۔

"میں انھیں جگانے گئی تھی، لیکن ان کو بہت تیز بخار ہے خالہ، میں نے جگانا مناسب نہیں سمجھا"۔ سدرہ نے جوس کا جگ میز پہ رکھا تھا۔

محسن اور محمود نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

"بخار ہے۔۔۔۔"۔ نازنین خود سے بڑبڑائی تھی۔

"جی، وہ رات کو بھی لیٹ گھر آئی تھیں، کھانہ بھی نہیں کھایا، شاید کل رات سے ہی بخار ہے انھیں"۔

"وہ ازلان کے آفیس نہیں گئی تھی کل"۔ محسن نے مداخلت کی تھی۔

"گئی تھی، وہاں سے واپس آ گئی تھی مغرب سے پہلے"۔ نازنین نے جواب دیا تھا۔ لہجہ فکر مند تھا۔

"میں اسراء کو دیکھ کر آتا ہوں"۔ محمود کہتے ہوئے کرسی سے اٹھا تھا۔ اور سیڑھیاں چڑھنے لگا تھا۔ محسن نے گہری سانس اندر کو کھینچی تھی۔

وہ تکیے میں منہ چھپائے لیٹی تھی۔ قدموں کی چھاپ دیکھ کر اس نے اپنے آنسوؤں کو رگڑ لیا تھا۔ سسکیوں کو بھی ضبط کر لیا تھا۔ ازلان احمد کی وعدہ خلافی کا سوگ اور خمیازہ اسے اکیلے ہی بھگتنا تھا بغیر کسی کو بتائے، بنا جتلائے۔۔۔۔

"اسراء بیٹا"۔ محمود نے بخار دیکھنے کے لیے اس کے ماتھے پہ ہاتھ رکھا تھا۔ اس کا ماتھا آگ کی مانند تپ رہا تھا۔" ناشتے کے لیے نہیں ائی تم آج، میں پریشان ہو گیا تھا"۔

"ہم واپس کب جائیں گے"۔ اس کا گلہ خراب ہو گیا تھا، آواز بھاری تھی، سر درد سے پھٹنے کو تھا۔ وہ پوری رات روتی رہی تھی یہ سب تو ہونا ہی تھا۔ امید ٹوٹنے کا غم بہت بڑا تھا حد سے زیادہ بڑا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ایک انسان کی زندگی میں امید سب کچھ ہوتی ہے، وہ کل کی امید میں اپنا آج جیتا ہے اور اگر ہم میں کل کی امید نہ ہو تو ہمارا آج بھی ختم ہو کہ رہ جاتا ہے۔ اس کا بھی سب ختم ہو گیا تھا، حال، ماضی، مستقبل سب۔

"جب تم کہو گی"۔ وہ بیڈ کی پائنتی پر بیٹھ گیا تھا

"آج ہی چلیں"۔ وہ ایک دم سے بول اٹھی تھی۔ آنکھ سے پانی لڑھکا تھا

"آج۔۔۔۔ابھی تو تمہیں اتنا تیز بخار ہے، چلو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہے تمہیں"۔ محمود نے اس کی بات کو ہوا میں اڑایا تھا۔

"نہیں، مجھے آج ہی جانا ہے"۔وہ بدک کر اٹھی تھی۔ محمود نے تشویش زدہ نگاہوں سے اس کے سوجھے چہرے کو دیکھا تھا۔

"لیکن۔۔۔۔۔۔"

"پلیز بھائی، مجھے ماما کے پاس جانا ہے، بھائی آپ سمجھ نہیں رہے مجھے نہیں رہنا یہاں پہ، آپ کیوں۔۔۔۔۔۔۔"۔ وہ محمود کی سوالیہ نگاہوں کو یکھ کر کہتے کہتے تھم سی گئی تھی۔اس نے اب ہی نوٹس کیا تھا وہ کتنا اونچا بول رہی تھی۔ اپنے بھائیوں سے وہ یوں اونچی آواز میں بات نہیں کرتی تھی۔

"ٹھیک ہے آج ہی چلے جائیں گے، لیکن کل کیا ہوا تھا آفیس میں، ازلان کے ساتھ گئی تھی تم"۔وہ اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا تھا۔اسراء یعقوب محمود یعقوب کے ہاتھوں میں پلی بڑھی تھی۔ محمود اسے پڑھنا خوب جانتا تھا۔

"میں ازلان کی منگیتر ہوں"۔ اس کی حلق میں کرواہٹ گلنے لگی تھی۔بھائی کو اپنے شوہر کی منگنی کی خبر وہ کن الفاظ میں دے۔اس نے اپنا سر بھائی کے بازو سے ٹکا دیا تھا۔وہ کیا بتاتی کہ کل اس پہ کونسی حقیقت کا انکشاف ہوا تھا

۔"مجھے یوں نہ پڑھا کریں بھائی، میری کتاب کے ہر ورق پہ ایک نئی کہانی چھپی ہے"۔ دماغ میں اٹھنے والے جملے کو وہ زبان پہ نہیں لا سکی تھی۔ اس کی زبان منجمد ہو کر رہ گئی تھی۔

اسلام آباد کا موسم اس دن پہلے سے قدرے ٹھنڈا تھا۔ تھوڑی دھند بھی چھانے لگی تھی۔ دن کا تیسرا پہر تھا اور زندگی کا شاید سیاہ پہر شروع ہو چکا تھا کم سے کم اسے تو ایسا ہی لگ رہا تھا۔ محمود نے ارجنٹلی اس کی اور اپنی ٹکٹ کروا لی تھی۔ محسن کو دو چار میٹنگز کرنی تھیں سو وہ یہی رکنے والا تھا۔

نازنین پورچ میں کھڑے ان سے الوداعی ملاقات کر رہی تھی۔ نازنین کو ان کے یوں جانے کی وجہ سمجھ نہیں آئی تھی۔ محمود نے بس اتنا بتا دیا تھا کہ اسراء کا دل اداس ہو گیا ہے وہ واپس جانے کی ضد کر رہی ہے، نازنین کے بار بار اصرار کرنے پر بھی وہ نہیں رکا تھا۔ اسراء کی خوشی اس کے لیے نازنین کی بات سے کہیں اہم تھی۔ ماحول میں مکمل خاموشی تھی۔

کالی کار پوری رفتار سے گیٹ سے داخل ہوئی تھی۔ وہ مغرور ناک کے ساتھ بازو پہ کالا کوٹ دھرے ڈرائیونگ سیٹ سے اچھل کر نکلا تھا۔ اور پھر جیسے چلنا بھول گیا تھا۔

وہ نازنین کے سینے سے لیپٹی تھی۔ نازنین کے کندھے پہ جھکے سر نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ ماتھے پہ تیوری چڑھائے اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی نگاہوں کا تصادم ہوا تھا۔ وہ نا سمجھنے والے انداز میں کھڑا تھا۔

"اب تم کبھی واپس نہیں آو گے"۔جب ازلان حیدرآباد میں رہتا تھا تو ایک بار اس سے بات ہوئی تھی۔تو اس نے پوچھا تھا۔یہ سوال وہ ہر بار کرتی تھی۔

"تم آجاؤ میرے پاس یہاں"۔وہ معصوم باریک نرم آواز میں کہہ رہا تھا۔

"تم مجھے رکھ لو گے"۔اس نے استہزائیہ انداز میں کہا تھا۔

"ہاں، تم ایک بار آؤ تو سہی، میں تمہیں کبھی واپس نہیں جانے دوں گا"۔وہ کہتے ہوئے ہنس دیا تھا۔وہ قہقہ لگا کے ہنسی تھی وہ چھوٹا تھا مگر بڑی بڑی باتیں کرتا تھا۔شاید تب ان کا مفہوم بھی نہیں سمجھتا تھا۔ہنسی کی چہکوں میں خاموش ماحول پھر کہیں سے نمودار ہوا تھا۔وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے دور کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

نازنین نے اس کی پیشانی کا بوسہ لیا تھا۔اس کی نگاہیں اس ڈیمپل والے چہرے پر تھیں۔کتنے پسند تھے اسے ازلان احمد کی رخساروں کے ڈیمپل۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ کار کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔سدرہ نے سوٹ کیس ڈگی میں رکھا تھا تب ہی اسے علم ہوا تھا کہ وہ واپس کراچی جا رہی تھی۔وہ پورچ کی طرف قدم اٹھانے لگا تھا تب ہی سفید کار ہوا کی طرح پورچ سے نکلی تھی اور طوفاں کی مانند اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

وہ اسے روکنا چاہتا تھا مگر اس نے موقع نہیں دیا تھا۔اسراء یعقوب نے اسے مہلت نہیں دی تھی۔ایک بار اس نے بھی اسراء یعقوب کی نہیں سنی تھی اپنی ماں کے ساتھ آگیا تھا آج وہ اپنی ماں کے پاس چلی گئی تھی۔دونوں ہی

ایک سے تھے بس فرق اتنا تھا کہ وہ حال میں گئی تھی اور وہ ماضی میں، اس کی نگاہوں کے سامنے بچپن والی اسراء یعقوب اس کے لیے پیچھے لپکنے والی اسراء یاد آئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کیا مطلب وہ واپس چلی گئی، بنا کچھ کیے، انیتا واپس کیسے چلی گئی، ابھی کل رات ہی تو وہ مجھ سے ملی تھی، اور بہت غصے میں تھی"۔ وہ سٹڈی میں داخل ہوا تھا اور ہوتے کے ساتھ ہی اسامہ نے اُسے فون کر کے اطلاع دی تھی۔

"آئی کانٹ بلیو اِٹ، کہیں پہ کچھ غلط ہے، جو ہم مس کر رہے ہیں"۔

"اوکے اللہ حافظ"۔ اس نے فون شیشے کی میز پر پٹخ دیا تھا۔ آنکھیں موند لیں تھیں آج کا دن بہت بھاری تھا اور گذشتہ رات بہت وزنی۔۔۔ اور پھر اسراء کی روانگی نے اُسے بہت اُداس کر دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کھڑکی سے جگہ بناتی سورج کی شعاعیں اس کی پیٹھ کو گرما رہیں تھیں۔ سبین اس کی کتابوں کو سمیٹ کر سٹڈی ٹیبل پہ سجا رہی تھی۔ "اسراء جاگ جاؤ، میری جان لیٹ ہو جاؤ گی یونیورسٹی سے"۔

"ہمم۔۔۔"۔اس کو اسلام آباد سے کراچی آئے دو دن ہو گے تھے۔وہ دو دن یونیورسٹی نہیں جا سکی تھی۔یہ دو دن اس نے اپنے آپ کو بحال کرنے میں لگائے تھے اور تھوڑا بہت کامیاب ہوئی تھی۔بخار بھی اتر چکا تھا۔وہ جماہی لیتے ہوئے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔اس نے سبین کے شفاف چہرے کو دیکھا تھا اپنی ماں کے چہرے کو،جو سب سے پیارا تھا۔

"اٹھ گئی،اچھا چلو بتاؤ میری بیٹی ناشتے میں کیا کھائے گی،آج میں اپنے ہاتھوں سے تمہارا ناشتہ بناؤں گی"۔سبین نے اس کے نرم بالوں پہ ہاتھ پھیرا تھا۔

"ہا۔۔۔ماما،اتنی خدمت نہ کریں،موٹی ہو جاؤں گی"۔وہ جماہی لیتے ہوئے بولی تھی۔

"موٹی،دیکھو کتنی کمزور ہو گئی ہو،پتہ نہیں وہاں ٹھیک سے کچھ کھاتی بھی ہو گی کہ نہیں،اتنی سی شکل نکل آئی ہے تمہاری"۔

وہ سبین کے سینے سے لیپٹی تھی۔"پھوپھو بہت اچھی ہیں ماما،وہ وہاں پہ میرا بہت خیال رکھتی تھیں"۔

"اچھا اور ازلان"۔سبین نے اس کے بال کان کے پیچھے دھکیلے تھے۔

"ازلان۔۔۔"وہ خاموش ہو کر رہ گئی تھی۔ازلان کے آگے سے سوالیہ نشان ہٹ چکے تھے بہت سارے فل سٹاپ لگ چکے تھے۔اتنے کہ وہ گن بھی نہیں سکتی تھی۔"وہ بھی ٹھیک تھا"۔وہ حلق کی کراہٹ کو ضبط کرتے ہوئے بولی تھی۔

"ہمم، اچھا چلو ریڈی ہو جاؤ، میں ناشتہ بنانے لگی ہوں ٹھیک ہے۔۔۔۔"، سبین کہتے ہوئے دروازے سے باہر نکل گئی تھی۔اس نے گردن اٹھا کر کمرے کی سفید چھت کو دیکھا تھا اور پھر پینک صوفوں کو دیکھا تھا۔یہ اس کا کمرا تھا، یعقوب محل میں پرنسز اسراء یعقوب کا کمرا، وہ گہری سانس لیتے ہوئے بیڈ سے اتری تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"آرزو آج تم اسراء کے ساتھ چلی جانا یونیورسٹی۔۔۔"۔فرقان حکم صادر کرتے ہوئے کرسی سے اٹھے تھے اور پھر ڈائننگ ہال سے باہر کی جانب اور پھر گھر کے مین ڈور سے آگے نا جانے کہاں۔آرزو نے مہتاب کو دیکھتے ہوئے اشانے اچکا دیے تھے۔

"اب یہ کیا تھا"۔وہ کرسی دھکیلتے ہوئے بولی تھی۔

"کیا۔۔۔"۔وہ انجان بننے کی اداکاری کرنے لگی تھی۔

"ویسے امی آپ کو کیا لگتا ہے، اسراء اور ازلان کا رشتہ اب کونسا رخ لے گا"۔اس نے بات بدل دی تھی۔وہ جانتی تھی کہ بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔مہتاب نے کبھی فرقان صاحب کے سامنے اس کی فرمائش نہیں کی تھی اور نہ کرنے والی تھی۔وہ جوس گلاس میں انڈلنے لگی تھی۔

"اللہ جانے، میں تو کہتی ہوں جلد سے جلد اس کی شادی ہو کم سے کم میرے بیٹے کی جان تو چھوٹے، اور یہ تمہیں کیا صبح ہی صبح اس کے بے روح رشتے کی پڑنے لگی"۔وہ بدک کر کہتے ہوئے چائے سپینے لگی تھی۔

"بے روح نہیں رہا ہو گا اب، اسراء یعقوب پورے دو ہفتے اس کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہی ہے اس کی آنکھوں کے سامنے، کوئی نہ کوئی چکر تو اس نے چلا ہی لیا ہو گا"۔اس نے جوس کو بغور دیکھتے ہوئے کہا تھا۔بغور کچھ کھوجتے ہوئے۔۔۔۔۔۔

"ہاں بالکل اپنی ماں پہ گئی ہے"۔مہتاب کی زبان سے پھسلا تھا۔

"ماں پہ، امی سبین چچی ایسی تو نہیں لگتیں"۔آرزو نے جملہ پکڑتے ہوئے کہا تھا۔

"تم فضول باتیں نہ کرو، ناشتہ کرو اور جاؤ یونیورسٹی"۔وہ جھنجھلا کر بولی تھی۔ماتھے پر تیوری چڑھنے لگی تھی۔آرزو نے استہزائیہ نگاہوں سے ماں کی طرف دیکھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آرزو دیوار کے وسط میں نکالے گے دروازے سے نمودار ہوئی تھی تاکہ اسراء کے ساتھ یونیورسٹی جاسکے۔ سبین اسراء پہ دم پڑھ کے پھونک رہی تھی۔ اس نے آئی بروسیکر لیے تھے۔ نیک فطرت سبین ناجانے جوانی میں کیسی ہو گی۔ وہ سوچ کر مسکرادی تھی۔

"آرزو بیٹا آجاؤ، یہاں آو"۔ سبین نے پھونکتے ہوئے اس کو کہا تھا۔ اس کے قریب آنے پر اس پہ بھی پھونکا تھا۔

"وہ ابا آج جلدی چلے گے تھے آفیس، اس لیے میں نے سوچا اسراء کے ساتھ چلی جاؤں یونیورسٹی، تم جارہی ہو نا آج یونی"۔ انداز استہزائیہ تھا۔ ریشمی سا دوپٹہ سر پہ دھرے آج آرزو بہت نفیس لگ رہی تھی۔

"ہاں، کم۔۔۔۔"۔ وہ کہتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ پہ جا بیٹھی تھی۔ آرزو سبین کو اللہ حافظ کرتے ہوئے فرنٹ سیٹ پر آبیٹھی تھی۔

سفید کارپورچ سے ہوتی ہوئی ڈرائیونگ پاتھ پہ چلنے لگی تھی۔ آرزو کے سر سے دوپٹہ سرکا تھا، کھولے بال پیچھے کی اوڑھ ارنے لگے تھے۔ ہلکی لپ سٹک مزید نکھرنے لگی تھی۔ اسراء دیکھ کر مسکرادی تھی۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو، خیریت ہے بڑی تیاری کی ہے آج"۔ اس نے اسٹرینگ وہیل دائیں طرف گھمایا تھا۔

"نہیں تو، میں تو۔۔۔ میں تو روز کی طرح ہی ہوں"۔ اس نے جلدی سے دوپٹہ اپنے سر پہ دھرا تھا۔

"ہاہاہا، اچھی لگ رہی ہو، بلکہ دوپٹہ اتار کر گلے میں ڈال لو، مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتا تم دوپٹہ سنبھال کیسے لیتی ہو، مجھ سے تو ایک ہی کام ہوتا ہے دوپٹہ سنبھالو یا دنیا کے باقی کام، سو میں نے باقی کاموں کو چنے رکھا ہے"۔ وہ لاپرواہی سے کہتی چلی گئی تھی۔

"سر پڑی ہو تو ہر کوئی سنبھال سکتا ہے، تم آزاد ہو نا اس لیے"۔ اس نے تاسف سے ٹھنڈی آہ بھری تھی۔ "خیر میری چھوڑو، تم بھی آج کمال لگ رہی ہو"۔

"میں تو عام ہی ہوں"۔ اس نے شانے اچکاتے ہوئے لاپرواہی سے کہہ ڈالا تھا۔

آرزو نے اس کی ملائی جیسی رنگت کو دیکھا تھا۔ نرم ملائی جیسی رنگت، گلابی ہونٹ، کالی شیشے کی سی چمک رکھنے والی بھوری آنکھیں، پتلی گلابی ناک۔۔۔ اس دن اسراء نے کوئی میکاپ نہیں کیا تھا وہ پھر بھی آرزو سے کہیں زیادہ متاثر کن شخصیت لگ رہی تھی۔ آرزو نے گہری سانس لے کر آہ بڑھی تھی۔ یہاں پہ بس وہ یہ ہی کر سکتی تھی اسراء یعقوب کو خوبصورتی میں وہ نہیں ہرا سکتی تھی۔

"پھوپھو کیسی ہیں"۔ وہ اسراء س نظریں ہٹانا چاہتی تھی۔

"ٹھیک ہیں لیکن وہ بہت کمزور ہو گئی ہیں، بھوک، پیاس، تھوڑا سا بھی سٹریس برداشت نہیں ہوتا ان سے"۔ کہتے کہتے لہجے میں تاسف ابھرا تھا۔

"اور ازلان، وہ بدل گیا ہے یا بچپن کی طرح کا ہی ہے مغرور، نکچرا"۔ آرزو نے راز جاننا چاہا تھا۔

"اس میں بچپن والے ازلان جیسا کچھ نہیں ہے، بدل گیا ہے" آنکھوں میں برسوں کی ویرانی امنڈی تھی۔ بچپن والا ازلان سب کے لیے مغرور تھا پر اس کے لیے ہمیشہ جھکا رہتا تھا۔ نوجوان ازلان سب کے لیے نرم تھا سوائے اس کے۔ اس ازلان احمد نے اپنے حصے کے سارے ظلم صرف اسراء یعقوب پہ ڈھانے تھے۔

"اچھا پھوپھو کا گھر کیسا ہے"۔

اس نے سر جھٹک کر آرزو کی بات کو سنا تھا۔ "گھر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔" وہ پھوپھو کے گھر کی ایک ایک چیز کے بارے میں بتانے لگی تھی۔ آرزو میانکی انداز میں سب سن رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میتھس کی کلاس لینے کے بعد وہ دونوں کاریڈور سے ہوتی ہوئیں لائبریری کی طرف جا رہی تھیں۔ "میں نے تمہیں اتنا مس کیا اسراء، مطلب سب کچھ اتنا بدل گیا ان دو ہفتوں میں بتول کا نکاح ہو گیا رخصتی بھی، مطلب حد ہے، ویسے میں نے تمہاری اٹینڈنس پوری لگوائی ہے، میم سے بات کر لی تھی میں نے"۔ مانو دو ہفتوں میں ہونے والے اسے ہر واقع سے آگاہ کر دیا تھا۔ اسراء نے سلور ہینڈل سے پکڑتے ہوئے لائبریری کو دھکیلا تھا۔ بہت سے ییلو ٹیبل خالی پڑے تھے۔ وہ دروازے سامنے والی میز پہ بیٹھی تھیں۔

"مانو یار تم مجھے اپنے نوٹس دو گی کچھ دیر کے لیے، میں نے بنانے ہیں"۔ اس نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا تھا۔

مانو نے محتاطی نگاہوں سے لائبریرین کی طرف دیکھا تھا جو فون میں کہیں مصروف تھی۔"بنانے کی کیا ضرورت ہے، فوٹو کاپی کروالینا"۔اس نے ٹیبل پر جھکتے ہوئے سرگوشی کی تھی۔

"اچھا دکھاؤ تو، کتنا کام ہوا ہے"۔

مانو نے بیگ سے رجسٹر نکال کر اس کے سامنے کھولا تھا۔اسراء رجسٹر کے ورق الٹ پلٹ کر سبق کی حد جانچنے لگی تھی۔

"یہ تمہاری اسائنمنٹ، جو تم نے اسلام آباد سے بھیجی تھی، ویسے کیا کمال بنایا ہے تم نے یہ، میم کو بھی بہت اچھی لگی"۔مانو نے اسائنمنٹ اس کے سامنے ٹیبل پہ اچھالی تھی۔اسراء ایک لمحے کے لیے سکتے میں آگئی تھی۔پھر اسائنمنٹ کے ورق کھول کر دیکھنے لگی۔ہر لفظ خوبصورت اور فرصت سے لکھا گیا تھا۔کسی نے بڑے اہتمام سے اسائنمنٹ بنایا تھا۔وہ واپس پہلے ورق پہ ٹکی تھی۔پندرہ میں سے پندرہ مارکس۔وہ ٹھٹھکی تھی۔اسراء کے لیے یوں اسائنمنٹ صرف ایک ہی انسان بنا سکتا تھا اور وہ صرف نقاب پوش تھا۔کم سے کم اسے تو ایسا ہی لگا تھا۔

"مانو تم نے گارڈ سے پوچھا نہیں کہ یہ کون دے کر گیا تھا"۔اس نے دھیمی آواز میں مانو سے کہا تھا۔

"پوچھا تھا، لیکن انھوں کہا تھا کہ دینے والے کو مس اسراء یعقوب خوب جانتی ہیں"۔مانو نے نارمل انداز میں کہا تھا

۔

اسراء یک ٹک سفید صفحے کو گھورتی رہ گئی تھی۔ جس پہ بلیو مارکر سے بلدار انداز میں اس کا نام لکھا گیا تھا۔ "اسراء یعقوب"۔ وہ محمود کی لکھائی نہیں تھی، نہ سارہ اور نہ ہی یعقوب کی۔ وہ ان سب کی لکھائی کو اچھی طرح پہچانتی تھی لیکن یہ لکھائی ان کی نہیں تھی۔ اور ازلان کی بھی نہیں تھی۔ کیونکہ جب اس نے اس سے اسائنمنٹ کا پوچھا تھا تو اس اجنبیت کا اظہار کیا تھا اور صاف انکار کر دیا تھا۔

اب صرف ایک انسان تھا جس نے یہ لکھا تھا اور وہ تھا وہ انجان نقاب پوش، ایک طرف وہ اس کی مدد کرتا ہے اور دوسری طرف بھرے بازار میں اسے تنگ کرنے کے لیے لڑکے بھیجتا ہے، آخر وہ کیا چاہتا تھا۔۔۔۔ اس کی آنکھوں میں سرخی چھانے لگی تھی۔ خوف کی سرخی، جوان گنت سوال تھامے ہوئے تھی۔ مانو موٹی سی کتاب سامنے کھولے کچھ پڑھنے میں محو تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ براؤن ڈبہ وہی سٹڈی ٹیبل پہ کتابوں کی تہہ پر رکھا تھا جہاں وہ صبح اسے چھوڑ کر گئی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے اپنی پینک سلطنت اپنے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ آج یونیورسٹی میں تھکا دینے والا دن تھا۔ اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے بیگ بیڈ پر پھینکا تھا جیسے وہ ہمیشہ پھینکتی تھی۔

وہ براؤن ڈبہ کنزا نے اسے دیا تھا اور وہ اتنے دنوں سے اسے کھول نہیں سکی سوا بھی کھولنے کا فیصلہ کرتے ہوئے ڈبہ اٹھایا تھا اور سفید کرسی جو اس کے سٹڈی ٹیبل کے سامنے رکھی تھی اس پر براجمان ہوئی تھی۔

کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس کی نظر گرین کور والی کتاب پر پڑی تھی جس پہ سفید رنگ میں تفسیرِ قرآن لکھا تھا۔ یہ کتاب بھی دعا نے اسے دی تھی لیکن اس نے کھول کر نہیں پڑھی۔ یقیناً سبین نے بیگ سے سامان نکالتے ہوئے اسے بھی نکالا تھا اور یہاں سجا دیا تھا۔ ڈبہ کھولنے میں اسے زیادہ دقت نہیں ہوئی تھی۔ وہ ہاتھ سے بنایا گیا ایک بکس تھا۔ چارٹ پیپر سے کور شدہ۔۔۔ دعا ایسے چھوٹی چھوٹی چیزیں اکثر بنایا کرتی تھی۔ وہ سوچتے ہوئے ہنس دی تھی۔ نرم سیلکی بال دونوں کندھوں سے سامنے کو لٹکنے لگے تھے۔ اس نے نرمی سے ڈبے کا کاپ آٹھایا تھا۔ متحرک آنکھیں یک دم منجمد ہوئیں تھیں، نگاہوں میں حیرانی اور انداز میں بے یقینی ٹپکی تھی۔

لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا

اللہ کسی شخص کو پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ (سورت البقرہ:86)

وہ پڑھتے ہوئے حیران ہوئی تھی۔ سینے پہ جیسے کپکی طاری ہوئی تھی۔ چھوٹی سی چٹ پہ لال رنگ میں وہ آیت پرنٹ کروائی گئی تھی۔ اسراء نے اس پر غور نہیں کیا تھا اور اسے ٹیبل پر ایک طرف رکھ دیا تھا۔ نیچے دو چار صفحے سر بمہر رکھے گے تھے۔ اسراء نے ایک اٹھایا اور کھولا تھا۔

26 اکتوبر، 2018

یونیورسٹی کا پہلا دن اتنا اچھا نہیں گیا تھا، لیکن دوسرا دن بہت اچھا گیا تھا۔ کیونکہ اس دن میری ملاقات ایک حسین و جمیل لڑکی اسراء یعقوب سے ہوئی۔ اس کی ملائی جیسی سفید رنگت، شیشے کی سی براؤن چمکدار آنکھیں، پتلی لال ناک اور کالے ملائی جیسے نرم بال ان کی چند لٹیں جو اس کی پیشانی کو ڈھانپتی ہیں مجھے بہت متاثر کن لگیں، بلکہ وہ لڑکی بھی مجھے بہت متاثر کن لگی، اپنی ظاہری شخصیت سے بھی اور باطنی تعارف سے بھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اسراء کی آنکھوں تشویش اتری تھی۔ اسے یہ تاریخ اچھے سے یاد تھی اس دن اس کی یونیورسٹی میں پہلے سمسٹر کی دوسری کلاس تھی اور اس کی برتھ ڈے تھی۔ اپنی برتھ ڈے تو اسے ہمیشہ یاد رہتی تھی۔

اور یہ بھی کہ میری کوئی نماز قضاء نہیں ہوئی۔ ورنہ یونیورسٹی کے پہلے دن تو مجھے نماز پڑھنے کے لیے کوئی جگہ ہی نہیں ملی تھی۔ لیکن دوسرے دن میں نے ساری نمازیں پڑھیں صرف اسراء یعقوب کی وجہ سے، اسی نے تو مجھے مسجد ڈھونڈ کر دی تھی۔ لیکن اس نے خود نماز نہیں پڑھی، حالانکہ مجھے مسجد کا پتہ دینے والی وہ ہی تھی۔ پر کچھ لوگ بس صراط مستقیم کا پتہ دیتے ہیں اس پر خود نہیں چلتے۔ لیکن پھر چلنے لگتے ہیں جیسے عرب والے چلنے لگے تھے۔

اسراء یعقوب تم مجھے عرب جیسی لگتی ہو، مکہ والی لگتی ہو، جھوٹ نہیں بولتی، وعدہ نہیں توڑتی، بہت وفادار، لیکن غفلت میں ڈوبی ہوئی، اندھیرے میں گم۔۔۔۔ لیکن کوئی بات نہیں ہم سب نے پلٹ کر روشنی یعنی اسی کی طرف جانا ہے، وہ سب کو اپنی طرف بلاتا ہے، سب کو آواز دیتا ہے، سب کو موقع دیتا ہے ایک دن تمہیں بھی بلائے گا جیسے مجھے بلایا تھا، ایک دن تمہیں بھی پکارے گا اور پھر تم دیکھنا اس کی طرف لپک جاؤ گی۔

اسراء تم وہ لڑکی ہو جس کا خضر اس کی دیوار میں بنی ایک الماری میں رکھا ہے اور راحت کا سامان اس کی وارڈروب میں، لیکن تمہیں اس کی خبر نہیں، عرب والوں کو بھی نہیں تھی حالانکہ ان کے سامنے سب اتارا جاتا تھا لیکن پھر ہو گئی تھی جب اس نے چاہا تھا تمہیں بھی ایک دن ہو جائے گی جب وہ چاہے گا۔تب تم صرط مستقیم پر چلنے لگو گی ہر چیز سے بے نیاز۔۔۔۔۔۔

"اسراء باجی"۔انمول نے اشانوں سے پکڑ کر اسے جنجھوڑا تھا۔

"ہونہہ۔۔۔۔۔"۔اس نے یک دم حواس پکڑے تھے۔

"کیا ہوا، ہاتھ کیوں اتنے ٹھنڈے پڑ رہے ہیں آپ کے اور، اور آپ رو کیوں رہی ہیں"۔انمول نے اس کے پسینے سے تر ہاتھوں کو چھوا تھا جو ٹھنڈے برف ہو رہے تھے۔کاغذ چمکیلے فرش پر جا گرا تھا۔چہرا زرد پڑنے لگا تھا۔اسراء نے اب ہی اپنی کپکپاہٹ پر غور کیا تھا۔

"روتو۔۔۔ نہیں رہی۔۔۔میں"۔اس کا جملہ ٹکروں میں تھا۔وہ یک ٹک اپنے کپکپاتے ہاتھوں کو دیکھنے لگی جو واقع کانپ رہے تھے۔اس کے وجود میں سردی بڑھنے لگی تھی۔وہ کیا کیفیت کیا وجد تھا جو اس پہ طاری ہوا تھا۔اس صفحے میں کیا طلسم تھا جس نے اسے حواس بخت کر دیا تھا۔اس کا سانس کب پھولنے لگا تھا اسے اندازہ نہیں ہوا تھا۔

انمول نے بیڈ سائیڈ ٹیبل سے جگ سے پانی کا گلاس بھر کے گلاس اسے تھمایا تھا وہ ایک ہی سانس میں پورا گلاس اپنے اندر انڈیل گئی تھی۔سانس بحال ہوا، پھر حواس اور پھر وہ خود کو بحال کرنے لگی تھی۔

"باجی آپ ٹھیک ہیں"۔انمول اس کے سامنے دوزانوں ہو کر بیٹھی تھی۔اس کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیے تھے

۔

"ہاں ہاں ٹھیک ہوں، پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا، ایک بار اسلام آباد میں بھی ایسے ہی ہو گیا تھا، بلکہ کئی بار ہوا ہے، عجیب"۔وہ کچھ الجھتے ہوئے بولی تھی۔وہ کیا تھا وہ خود بھی سمجھ نہیں پائی تھی۔اس وقت اسے خود بھی سمجھ نہیں آیا تھا۔"اچھا تم ماما کو نہ بتانا وہ پریشان ہو جائیں گی"۔کہتے ہوئے اس نے فرش سے صفحہ اٹھایا تھا۔ایک نظر دیکھ کر اسے ڈبے میں رکھ کر کاپ بند کر دیا تھا۔وہ براون ڈبہ اب مقفل ہو چکا تھا۔

" ہوش تو اب آپ کے بھی اڑ جائیں گے، جب میں آپ کو یہ بتاؤں گی کہ نیچے کون آیا ہے"۔انمول مشقوق ادا سے بولی تھی۔

"کون آیا ہے"۔وہ کہتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے اپنا چہرا دیکھنے لگی تھی۔آنکھیں اور ناک ریڈ ہونے لگی تھیں۔

"ازلان بھائی"۔

اس نے یکدم گھوما کر انمول کو دیکھا تھا۔جو متبسم چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔آنکھوں میں بے یقینی تھی

۔

"سچ کہہ رہی ہوں، نیچے ازلان بھائی آئے ہیں، سبین خالہ نے بھیجا ہے آپ کو بلانے کے لیے"۔

وہ بے یقینی کے عالم میں انمول کو دیکھتے رہ گئی تھی۔اسے جیسے اپنی سماعتوں پہ یقین نہیں آیا تھا۔ازلان یہاں کیسے آ سکتا تھا اور کیوں آیا ہے۔وہ بغیر کچھ بولے کہے لمبے لمبے ڈگ بھرتے کمرے سے باہر کی جانب لپکی تھی۔

کاریڈور سے جنگلے سے نیچے لاونج کا منظر واضح دکھائی دیتا تھا اور وہ وہیں تھا۔بر آون ٹو پیس، دراز قد براون شوز میں ملبوس وہ واقع اس کے گھر آیا تھا۔اور وہ باری باری سب سے بڑی خوش دلی سے مل رہا تھا۔وہ یعقوب اور محمود کے سینے سے لگ کر ملا تھا اور سبین نے اس کے ماتھے کو کئی بار بوسہ دیا تھا،وہ معروف بزنس مین کو اس دن کسی چیز کا بُرا نہیں لگ رہا تھا نہ آج وہ کسی پہ دھاڑ رہا تھا جیسے تیمور کی مہندی پہ دھاڑ کر گیا تھا۔

وہ جنگلے سے لپکی وہ سارا منظر دیکھ رہی تھی اور اب تک بے یقین تھی۔

اس نے مجتبٰی کو گود میں اٹھالیا تھا اور وہ حیران رہ گئی تھی۔وہ حیران تھی،بے یقین تھی اور اس بے یقینی کے خواب میں ہی رہنا چاہتی تھی۔اُس نے مجتبٰی کے کان میں سرگوشی کی تھی اور مجتبٰی اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بلند آواز میں چہک اٹھا تھا۔"وہ رہی پھوپھو"۔

لاونج میں کھڑے ہر فرد کی توجہ اس کی جانب مبذول ہوئی تھی۔اس کی ہنسی غائب ہوگئی تھی۔رخسار گابلی ہونے لگے تھے۔

"نیچے آجاؤ بیٹا،تمہارے بابا تمہارا انتظار کر رہے ہیں"۔سبین نے گردن اٹھا کر اس سے کہا تھا۔وہ جی کہتے ہوئے سیڑھیاں اتر کر سب کے ہجوم میں یعقوب کے پہلو میں کھڑی ہوئی تھی۔

"اسلام علیکم"۔بال کنپٹی کے پیچھے کھسرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

" وعلیکم اسلام"۔ازلان اور اسامہ نے بیک وقت کہا تھا اور پھر دونوں ہنسنے لگے تھے۔ مجتبیٰ کو اب تک ازلان اٹھایا ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کے کھانے کی میز سج چکی تھی۔سارہ آخری سویٹ ڈش نصب کر کے محمود کے پہلو میں بیٹھی تھی۔وہ سب سے آخر میں ڈائنگ ہال میں داخل ہوئی تھی اپنی اسی آن شان کے ساتھ جس طرح پہلے ہوا کرتی تھی۔ہاتھ میں موبائل پکڑے،بالوں کو جھولتی جھلاتی۔۔۔۔اس کی کرسی خالی تھی جو یعقوب کے ساتھ والی تھی۔اتفاق سے اس کے مدِ مقابل وہ بیٹھا تھا ازلان احمد۔۔۔۔۔یعقوب نے اس کے اور اُس کی دونوں کی پلیٹ میں چاول سرف کیے تھے۔

"بیٹا تم نے بتایا بھی نہیں اپنے آنے کا،ورنہ میں محمود کو بھیج دیتی تم لوگوں کو ائیر پورٹ سے پِک کرنے کے لیے" ۔نازنین نے اس کے گلاس میں پانی ڈالتے ہوئے کہا تھا۔یہ سوال وہ پورے دو گھنٹے سے کرنا چاہ رہی تھی لیکن پھر وہ سارہ کے ساتھ ڈیز کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی تھی سو موقع نہیں ملا تھا اس لیے اب پوچھ رہی تھی۔

"نہیں نہیں ممانی جان اس کی ضرورت نہیں تھی، آفیس کی گاڑی تھی ہمارے پاس اس لیے تکلیف نہیں دی آپ کو"۔اس نے مختصر سا کہا تھا۔پھر اسراء کی طرف دیکھا تھا جو یک سوئی سے ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی اور اس کے دیکھتے ہی نظریں چرا لی تھیں۔

"تکلیف کیسی یار، تم اتنے عرصے کے بعد آرہے تھے"۔ محمود نے مداخلت کی تھی۔

"ہمم۔۔۔۔لیکن اچھا ہوا نا آپ کو سرپرائز مل گیا"۔اس نے اس موضوع پر اختتامی جملہ دھر دیا تھا۔

"گڈ بہت اچھا سپرائز دیا ہے آج پھر تم نے، سچ میں"۔اب کی بار سارہ بولی تھی۔ڈائنگ ہال میں قہقہ گونجا تھا۔ وہ بس مسکرا دی تھی۔

"جی، میں نے سوچا اب کراچی جارہا ہوں تو اسراء کی طبیعت بھی معلوم کرتا جاؤں، دراصل امی بتا رہیں تھیں کہ اس کو بہت سخت بخار ہو گیا تھا، اور پھر یہ اچانک واپس آگئی وہاں سے، مجھے تو آنا ہی تھا"۔وہ حق سے کہہ رہا تھا پر اسراء یعقوب پر وہ اپنے سارے حق کھو چکا تھا اس دن سے جس دن اس نے انیتا سے منگنی کی تھی۔

پلیٹ میں اسراء یعقوب کا ہاتھ جیسے جامد ہو کر رہ گیا تھا۔اس نے ٹیبل پر بیٹھے ہر فرد کا چہرا دیکھا تھا جو اسے دیکھ رہے تھے۔یعنی وہ الفاظ وہ سوال صرف اس کے لیے تھے۔لیکن وہ کیا جواب دیتی۔جواب دینے کے لیے تو نہ اس میں ہمت تھی نہ الفاظ۔

"یہ پوچھنے کہ اب کیسی ہو، ٹھیک ہو"۔اس نے بات مکمل کی تھی۔

"ہمم، مجھے تو آنا ہی تھا، سو میں آگئی"۔اس نے مختصر جواب دیا تھا پر یہ اس کے سوال کا جواب نہیں تھا بلکہ ایک نیا سوال تھا، وہ آنے کی وجہ سننا چاہتا تھا۔یعقوب مسکرا دیا تھا۔کسی دوسرے نے بھی مداخلت نہیں کی تھی۔

"ہمم۔۔۔۔"اس نے مزید کچھ کریدا نہیں کہا تھا۔وہ جانتا تھا وہ اکیلے میں اس کو پڑھنا جانتا تھا سب کے سامنے وہ کبھی کھل کر اس کے سامنے نہیں آئے گی۔سو ان کی گفتگو یہیں ختم ہو گئی تھی۔

"یہ ایسی ہی ہے، جب بھی اپنے گھر سے دور ہوتی ہے بیمار ہو جاتی ہے، ابھی تو کہتی ہے میں ترکی جاؤں گی تیمور بھائی کے پاس، وہ اسے کہاں لے کر جاتا ہے، وہ ہنستا ہے کہتا ہے اگلے دن کہو گی مجھے بابا کے پاس چھوڑ کر آو، میں پھر کیا کروں گا"۔سبین نے اس پر ایسے تبصرہ کیا تھا جیسے ماں اپنے دو مہینے کے بچے کی حرکتوں پر کرتی ہے۔ازلان کا دل زور سے دھڑکا تھا، "اس در و دیوار میں بسنے والے لوگوں سے تمہیں اتنی محبت نہیں ہونی چاہیے تھی اسراء"۔وہ آہ بھر کر رہ گیا تھا۔

"اور سناؤ ازلان، تم کیا کرتے ہو آج کل بزنس کے علاوہ، مطلب کوئی بیکنگ، کوکنگ، یا پھر کچھ اور، بچپن میں تو تم بہت ٹیلنٹڈ تھے، تمہیں یاد ہے اس ساتھ اٹھ سال کی عمر میں بھی تم کتنا اچھا کیک بناتے تھے"۔محمود نے پچھلی باتیں یاد کی تھیں۔

"ہمم، اور پاستا بھی بنالیتا تھا"۔ سارہ نے مداخلت کی تھی۔ بچپن میں سارہ چھوٹیوں میں ان کے گھر آیا کرتی تھی اور وہ بھی آتا تھا تب وہ مل کر بیکنگ، کوکنگ کیا کرتے تھے تب بھی اسراء یعقوب کو کوکنگ میں کوئی دلچسپی نہیں تھی اور آج بھی نہیں تھی۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

"ہاں یاد ہے، ہم بہت کچھ کیا کرتے تھے، اپنا بچپن میں کیسے بھول سکتا ہوں ہمیشہ یاد رہتا ہے وہ مجھے"۔

سارہ نے اس کے تلخ الفاظ پر غور نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہاں بیٹھے کسی فرد نے بھی اس کے لفظوں پر کان نہیں دھرے تھے۔ سوائے اس کے صرف ایک وہ تھی جس نے ازلان احمد کے اندر کی کرواہٹ کو محسوس کیا تھا۔ وہ مہارت سے جھوٹ بول رہا تھا اسے کچھ یاد نہیں تھا کچھ بھی۔ پر اس کی زبان خاموش تھی اور اسے خاموش ہی رہنا تھا۔

"نازنین کو بھی لے آتے"۔ سبین نے اس کی پلیٹ میں مزید چاول ڈالے تھے۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

"آئیں گی، وہ بھی جلد ہی آئیں گی"۔ اس نے اسراء کی جانب دیکھا تھا۔ دونوں کی نگاہوں کا تضادم ہوا تھا اس نے لمحے بھر میں نگاہ چرا لی تھی۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کھانے کے بعد وہ واپسی کے لیے سب سے الوداعی ملاقات کر رہا تھا۔ وہ ٹیرس پر کھڑے لان کے مناظر دیکھ رہی تھی۔ اسامہ محمود سے محوِ گفتگو تھا۔ ازلان احمد سب سے بڑی اپنائیت اور خلوص دکھا رہا تھا۔ جو اسے سب جھوٹ اور دھوکا لگا تھا۔

آج کا دن ایک خواب تھا اور اس کی نیند پوری ہونے والی تھی آنکھ کھلنے والی تھی اور آنکھ کھلتے ہی اسے پھر سے ازلان سے دور بہت دور کھڑی ہونا تھا جہاں وہ اس دن اس گھنگریالے بالوں والی لڑکی سے مل کر ہوئی تھی۔ اب وہ پلٹ کر تو آنے والا تھا نہیں لیکن وہ نا جانے کیوں وہاں کھڑی تھی۔

ازلان احمد نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ اس نے نگائیں ٹکراتے ہی نظریں چڑا لی تھیں۔ ازلان کے ماتھے پہ بل ابھرے تھے۔ اس کی آنکھوں کا پانی رخساروں پہ ٹپکنے لگا تھا۔ ایک قطرہ دوسرا اور پھر ٹپ ٹپ ایک بعد ایک

---

"اسراء۔۔۔۔۔۔" سارہ نے اسے پشت سے پکارا تھا۔ وہ یکدم مڑی تھی۔

"وہ آج تمہارے لیے آیا تھا، اور تم اس کے سامنے ہی نہیں آئی، صرف کھانے کی میز پر سامنے آئی، اور پھر اچانک سے غائب بھی ہو گئی، کوئی بات بھی نہیں کی نہ سنی، ایسا تھوڑی ہوتا ہے اور اب تم رو رہی ہو، اب تو وہ چلا گیا"۔

آنسو یکدم جیسے منجمد ہو گئے تھے۔ وہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔ وہ شاید کبھی بھی اپنی زبان سے ازلان سے اپنے رشتے کے اختتام کا اعلان نہیں کر سکتی تھی۔ "وہ میرے لیے نہیں آیا تھا"۔ اس نے آنکھیں گھماتے ہوئے کہا تھا

۔

" اسراء میری جان کیا ہوا ہے، کوئی بات ہے تو مجھے بتاؤ، ازلان نے کچھ کہا ہے تمہیں، اسلام اباد میں تمہاری اس کے ساتھ کوئی لڑائی وغیرہ تو نہیں ہوئی" سارہ نے اس کا ہاتھ مسلتے ہوئے اس سے پوچھا تھا جیسے بڑی بہن چھوٹی بہن سے پوچھتی ہے۔ سارہ اسراء یعقوب کی بڑی بہن ہی تو تھی۔

اسراء نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہاں سے چلی گئی تھی۔ وہ سارہ سے ہر راز کہہ لیتی تھی، کہہ سکتی تھی بس یہ ہی وہ راز تھا جو وہ بیان نہیں کر سکتی تھی۔ بس اس پہ آنسو بہا سکتی تھی سو وہ بہا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چاند کی چاندنی گلاس ونڈو کو چیرتی ہوئی اس کے ملائی نما چہرے پہ جامد تھی۔ وہ جمائی لیتے ہوئے اٹھی تھی اور سائیڈ لیمپ آن کرتے ہوئے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کے بیٹھی تھی۔ منہ کھول کے اس نے ایک اور جمائی لی تھی جبھی اس کی نظر وال کلاک پہ پڑی تھی۔ کلاک پہ ایک بج چکا تھا۔

سارہ کے سوالوں سے جان بچا کر وہ کمرے میں آئی تھی اور پھر نا جانے کب اسے نیند آئی تھی اور وہ سو گئی تھی۔ کسی نے اسے جگایا نہیں تھا کیوں کہ سب نے سوچا ہو گا کہ وہ تھک گئی ہو گی۔ اس نے آن کی آن منظر کو مفہوم دے لیا تھا۔ سٹڈی ٹیبل پہ کتابیں تہہ بہ تہہ سجی تھیں۔ اس نے موبائل کی کالی اسکرین کو دیکھا تھا۔ پھر دو چار بار بے اعتنائی سے دو انگلیاں اسکرین پہ ماری ٹھوکی تھیں موبائل کی اسکرین آن ہوئی تھی۔۔۔۔۔۔ بارہ میسڈ کالز،

تین میسجز۔۔۔۔00222000 ۔۔۔۔اس نے آنکھیں پھلا کر اسکرین کو دیکھا تھا۔ آج بہت دنوں بعد اس نمبر پہ کوئی کال آئی تھی اور ساتھ ہی میسج بھی۔

مال کا پورا واقع اس کے دماغ میں کسی فلیش لائٹ کی طرح روشن ہونے لگا تھا۔ اس دن صرف اس انجان نقاب پوش کی وجہ سے وہ اتنا ذلیل ہوئی تھی۔ وہ شخص جسے وہ جانتی تک بھی نہیں تھی وہ کس طرح اس کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ اس نے برق رفتاری سے موبائل کی اسکرین پہ دو چار انگلیاں ماریں تھیں اور پھر آنکھیں اسکرین پہ جیسے ٹک سی گئی تھیں۔

"آپ کے شوہر آئے تھے آج، آپ تو ان سے ڈھنگ سے ملیں بھی نہیں، ویسے یوں تو آپ کہتی ہیں کہ اپنے شوہر کی بہت وفادار ہیں آپ اور چاہتی بھی ہیں، آج جب وہ خود چل کر آئے تو آپ نے اتنی بیزاری اور بے باکی دکھائی، اسلام آباد سے بھی آپ یوں ہی چلی آئیں، کیا آپ کی اپنے شوہر سے کوئی لڑائی وغیرہ ہوئی ہے، جہاں تک میرا خیال ہے آپ کی لاسٹ ڈسکشن جو آپ کے شوہر کے ساتھ ان کے آفیس میں ہوئی تھی کافی خوشگوار تھی۔۔۔۔۔ پھر یہ بے رخی۔۔۔۔؟"۔ وہ یک ٹک اسکرین کو دیکھتی رہ گئی تھی۔ اس نے موبائل بیڈ پہ اچھال دیا تھا۔

وہ ناخن کاٹتے ہوئے کمرے میں ادھر اُدھر ٹہلنے لگی تھی۔ وہ ننگے پاؤں اس چمکیلے فرش پہ بے نیازی سے ٹہل رہی تھی۔ ٹھنڈے فرش کی سردی اس کے قدموں سے ہوتی ہوئی اس کی پوری جسامت میں گردش کرنے لگی تھی پر وہ ان سب سے بے نیاز تھی۔ اس نے سٹڈی ٹیبل پہ تہ کتابوں پہ پڑی اس اسائنمنٹ کو دیکھا تھا جو یقیناً اس نقاب

پوش نے بنائی تھیں۔وہ اس سے ہر وقت باخبر رہنے والا نا جانے کون تھا۔وہ بس اتنا ہی سوچ سکتی تھی کہ وہ نقاب پوش ہر وقت اس سے باخبر رہتا ہے اس سے آگئے کچھ نہیں۔وہ انسان کس طبیعت کا مالک تھا وہ کبھی بھی فیصلہ نہیں کر سکی تھی۔وہ رات کا بقیہ حصہ یونہی ہی ٹہلتی رہی تھی اور اور ان میسجز کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ موبائل کی کالی اسکرین کو گھورتے ہوئے لاونج میں ادھر اُدھر ٹہل رہی تھی۔آج مسکان بھابھی کی کھیر پکائی کی رسم تھی اور اسی بنا پر شفیق تایا کے گھر دونوں خاندانوں فرقان فیملی اور یعقوب فیملی کی دعوت تھی۔سبین نے اسے کہا تھا کہ وہ ازلان کو بھی فون کر کے دعوت دے تھے۔

"ہیلو۔۔۔۔۔"کچھ سوچ کر اس نے فون ملایا تھا۔

"اسلام علیکم، خیریت کہیں غلطی سے تو نمبر نہیں ملا لیا اپ نے"۔پہلی کال پہ اس نے فون پک کر لیا تھا اور اب اپنے وہی اسے چڑا دینے والے لہجے میں بولا تھا۔

"نہیں، تمہیں ہی، فون کرنا تھا، تم سے ضروری بات کرنی تھی"۔وہ لفظوں کو ادھر ادھر گراہ لگا کر بمشکل جملہ بنا پائی تھی۔

"ہاں مجھے پتہ ہے، لوگوں کو میں صرف ضروری کام کے وقت ہی یاد آتا ہوں، تمہیں کیا کام پڑھ گیا اس وقت"۔

"دراصل تمہیں دعوت دینی تھی ایک، آج مسکان بھابھی کی کھیر پکائی کی رسم ہے، شفیق تایا کے گھر ایک چھوٹی سی دعوت ہے، انھوں نے تمہیں بھی بلایا ہے"۔اس نے ازلان کے جلے لفظوں کو ہوا میں اڑانا ضروری سمجھا تھا۔

"مسکان بھابھی۔۔۔۔۔۔"اس نے استہزائیہ انداز میں کہا تھا۔

اسراء نے دائیں آئی برو اٹھائی تھی۔"راحیل بھائی کی بیوی"۔مختصر سا جواب دیتے ہوئے وہ صوفے پہ بیٹھی تھی ۔لاونج میں اس وقت کوئی بھی نہیں تھا۔انمول کالج گئی تھی، سارہ بھابھی اور محمود بھائی مجتبیٰ کو لے کر اس کی شاپینگ کے لیے گے تھے۔اور سبین صبح سے شفیق تایا کے گھر تھیں۔رشیدہ خالہ کچن کی صفائی میں مصروف تھیں۔ وہ یونیورسٹی کی پہلی کلاس لے کر گھر آگئی تھی۔

"آہ، شادی پہ تو ہمیں بلایا نہیں اب انھیں کیسے یاد آگئی، خیر ٹائمنگ بتادیں اگر میں فری ہوا تو ضرور"۔اس نے جیسے اپنی مصروفیت کا دھونس اس پہ تھوپا تھا۔اس نے حلق سے کرواہٹ نگلتے ہوئے اس کے لفظوں کو پیا تھا۔

"شام میں رات کے کھانے پہ، آٹھ نو بجے"۔

"اوکے ٹھیک ہے، آئی وِل کم، میں اور اسامہ پہنچ جائیں گے"۔

"صرف تم۔۔۔۔۔اسامہ بھائی نہیں"۔اسے اچانک سے یاد آیا تھا۔جب سبین نے اسے ازلان کو دعوت دینے کا کہا تھا تو مہتاب نے خاص طور پر تاکید کی تھی اسامہ کو نہ کرنا۔یہ ان کے گھر کی دعوت ہے، ساری خاندان کی لڑکیاں اور عورتیں ہونگی اس کا آنا مناسب نہیں ہوگا۔

"کیوں۔۔۔۔؟" ایک لفظ مگر کرواہٹ بھرا۔

"ازلان یہ ہمارے گھر کی چھوٹی سی دعوت ہے، اس میں ان کا آنا لازمی تو نہیں، اور پھر فرقان تایا اور مہتاب تائی کو بھی اچھا نہیں لگے گا، یہاں ساری ہماری گھر کی لڑکیاں ہیں، کائنات اور آرزو وغیرہ ہیں بس، کوئی بڑی گیدرنگ تھوڑی کر رہے ہیں"۔ اس نے صاف گوئی سے وضاحت کی تھی۔ جبکہ وہ شرمندہ ہوئی تھی لیکن وہ تیمور بھائی کی شادی کی طرح اس بار کوئی بدمزگی نہیں چاہتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ازلان اب اس سے کبھی شادی نہیں کرے گا مگر پھر بھی وہ ماموؤں اور بھنجے کے تعلقات کو ہموار کرنا چاہتی تھی۔

"اور یہ پٹی بھی تمہیں، تمہارے فرقان تایا نے ہی پڑھائی ہو گی یقیناً"۔ وہ مشتعل ہو کر بولا تھا۔ مگر اسراء کے یہ غیر متوقع نہیں تھا۔

"انھیں کہہ دو، اگر اتنی ہی اپنی لڑکیوں کی پارسائی اور پردے کا شوق ہے تو، مجھے بھی انوائٹ کرنے کی ضرورت نہیں، میں بھی ان کے لیے نامحرم ہوں"۔ وہ اپنے اٹل انداز میں بولا تھا۔

"ازلان، تم کزن ہو"۔ وہ سرد مہری سے بولی تھی۔

"اچھا کزن کو کیا سرٹیفکیٹ مل گیا ہے کہ وہ کزنز لڑکیوں کے ساتھ جو چاہے کریں" "واٹ آر یو سائنگ ازلان"۔ اس کے ماتھے پہ بل ابھرے تھے۔

"بلکہ تمہیں بھی وہاں جانے کی ضرورت نہیں، وہاں تمہارے نامحرم لڑکے ہونگے"۔

اسراء کے پیشانی کے بل مزید گہرے ہوئے تھے۔"اُف وہ بھائی۔۔۔۔۔۔"۔

"بھائی کوئی نہیں ہے تمہارا"۔وہ یکدم جیسے اس پہ دھاڑا تھا۔

"از۔۔۔۔"

"اگر میں آوں گا تو اسامہ میرے ساتھ ہی آئے گا،ورنہ میں بھی نہیں آؤں گا"۔وہ اپنے فیصلے پہ قائم تھا۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں،ہاں،اگر وہ تمہیں بلا رہے ہیں تو،تم آ جاؤنا،ضروری ہے کہ ہر بار تم کوئی تماشا کرو،تیمور بھائی کی شادی پہ انھوں نے تمہیں بلایا تھا نا،کیا کیا تھا تم نے،ان سے بد تمیزی کر کے چلے گئے،اس دن جب تم آئے تھے تم ان سے،ملے بغیر چلے گئے،ان سب کے بعد بھی انھوں نے تمہیں یاد رکھا ہے،اپنی خوشی میں شریک کرنا چاہتے ہیں،لیکن تمہارے ہیں کہ مزاج ہی نہیں ملتے،ایک بار وہ جھک گئے ہیں ایک بار تم جھک جاؤ،لیکن تم کیوں کرو گے ایسا،ایسا کرنے سے تو تمہاری انا کو ٹھیس پہنچے گی ہے نا"۔وہ سب کچھ جتلاتے ہوئے بول رہی تھی۔وہ جو اتنے دنوں سے چپ سادھے بیٹھی تھی اس دن یک دم پھٹ پڑی تھی۔

"میں انا کا پتلا ہوں،یو ناؤ واٹ،تمہارے خاندان والے دوغلے لوگ ہیں،مجھے ان کی کسی خوشی غمی میں شریک ہونا ہی نہیں"۔وہ بھی اس کی طرح پھٹا تھا۔

"دوسروں کا گریبان پکڑنا بہت آسان ہے ، کبھی اپنی ذات میں بھی جھانک کر دیکھو،تم کتنے بڑے دوغلے ہو"۔وہ اسی کے انداز میں بولی تھی۔

"اگر تمہیں آنا ہو اتو آجانا ورنہ تمہاری مرضی"۔وہ فون بند کرتے ہی صوفے سے اٹھی تھی۔اس کی آنکھوں کی پتلیاں سرخ ناک لال ہونے لگی تھی۔رنگت زرد ہونے لگی تھی۔اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ ازلان کو یہ سب بھی کہے گی۔

"اسراء بیٹا کس سے بات کر رہیں تھی"۔رشیدہ خالہ نے دوپٹے سے گیلے ہاتھ خشک کرت ہوئے پوچھا تھا۔وہ یقیناً اس کی دھاڑتی آواز سن کر کچن سے نکلی ہو نگی۔

"ماما کو بتادیں وہ نہیں آئے گا"۔اس نے رشیدہ سے بغیر نظریں ملائے کہا تھا۔رشیدہ کو اس کی آواز کسی کھائی سے سنائی دیتی محسوس ہوئی تھی۔وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے لابی پر سے ہوتے ہوئے اپنے کمرے میں گئی تھی۔رشیدہ کو مزید کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔سارے سوالوں کے جواب بھی جیسے سامنے تھے۔کون نہیں آئے گا وہ یہ بھی جان گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

" سمجھتی کیا ہے یہ اپنے آپ کو"۔کال بند ہوتے ہی اس نے فون بیڈ پہ اچھالتے ہوئے کہا تھا۔اسامہ جو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے اپنے بال بنا رہا تھا یکدم مڑ کے اسے دیکھنے لگا تھا۔

"وہ کہتی ہے میں دوغلہ ہوں، میں، میری کوئی عزت نفس ہی نہیں اس کی نظر میں"۔اس کے گال غصے سے لال ہونے لگے تھے۔آنکھوں میں نمی چھانے لگی تھی۔

"یار کیا ہوا ہے بات تو بتاؤ"۔اسامہ ہیر برش ٹیبل پہ رکھتے ہوئے اس کے قریب آیا تھا۔کراچی میں انھوں نے ایک کمرا ہوٹل میں لے لیا تھا۔اس وقت وہ وہی موجود تھے۔"اسراء سے بات کر رہے تھے"۔وہ جیسے سمجھ گیا تھا

۔

وہ تھک کر بیڈ پہ بیٹھ گیا تھا۔اس کا تنفس رفتار تیز کرنے لگا تھا۔بلاشبہ اسے بہت غصہ آنے لگا تھا۔

"وہ ہمیشہ میری بات پہ، ان کو ترجیح دیتی ہے، میرے اوپر وہ ہمیشہ ان لوگوں اہمیت کیوں دیتی ہے یار"۔اس نے سر ماتھے پہ ٹکا دیا تھا۔انداز میں حسرت امنڈی تھی۔اسراء اسے اہمیت دیتی تھی مگر سب پہ نہیں۔

"تو، تو تم جھلیس ہو رہے ہو، ہے نا"۔اسامہ نے کہتے ہوئے تالی بجائی تھی۔ازلان سر پیٹ کر رہ گیا تھا۔

"یار ازلان پلیز، اب کیا ہوا ہے"۔وہ اکتا کر بولا تھا۔

"اس نے کھانے پہ بلایا ہے آج رات مجھے، میں نے کہا میں اور تم آجائیں گے، لیکن اس نے منع کر دیا کہ تم ساتھ نہیں آسکتے، کیونکہ بقول اس کی تائی کے ان کے گھر کی لڑکیاں کنفرٹیبل نہیں ہونگی، فار گاڈ سیک یار، کون ہے وہاں، ان میں سے ایک تو میری بیوی ہے"۔وہ یکدم پھٹ پڑا تھا۔

"تو، پھر کیا، تم جاؤ"۔

ازلان نے قاتلانہ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

"یار مجھے ویسے بھی اسلام آباد جانا ہے، ضروری میٹنگ ہے میری، اپنے محسن کے ساتھ معاملات تم خود ہی دیکھ لینا "۔وہ کہتے ہوئے صوفے پہ بیٹھ گیا تھا۔

"یہ تم کچھ زیادہ ہی مصروف نہیں رہنے لگے آج کل، میٹنگز کچھ زیادہ ہی نہیں ہونے لگیں تمہاری"۔اس نے مشقوق آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

" حد ہے۔۔۔۔"وہ با آواز سد الگاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ازلان کو اس کا رویہ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔وہ ہمیشہ اس کے مسلے سنتا تھا، ان کے حل بتاتا تھا، ہر فعل میں اس کی مدد کرتا تھا۔بچپن سے لے کر ہمیشہ تک۔۔۔۔پر اب وہ ایسا نہیں تھا۔وہ بدلنے لگا تھا۔شاید اس کی زندگی میں مسلے ہی اتنے زیادہ تھے کہ اسامہ ان کو حل کرتے کرتے اب اکتا چکا تھا۔یا صرف اس کا وہم تھا۔

وہ چہرے کو ہاتھوں کے حصار میں چھپاتے ہوئے اسی طرح ٹانگیں لٹکائے پیچھے کو لیٹ گیا تھا۔تنہا اکیلا۔۔۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ براؤن آف بازو والی ٹی شرٹ اور بلیک کھولے ٹراوزر میں ملبوس لاونج میں داخل ہوئی تھی۔ کھانے کے بعد سب لاونج میں جمع تھے۔ آرزو کے ماموں ممانی اور ان کا بیٹا مراد بھی تشریف لائے تھے۔ کائنات کے سسرال والے بھی شریک تھے۔

اور یہ دیکھ کر وہ یقیناً پچھتا رہی تھی کہ کیا ہوتا اگر ازلان بھی اسامہ کے ساتھ آجاتا تو۔ وہ منع نہ کرتی اسے۔ اس نے کیوں منع کیا اسے۔ اب وہ یقیناً اپنے ذہن میں ایک نیا تنازعہ بنائے بیٹھا ہو گا۔ اس کے دماغ میں مزید اعتراضات پیدا ہو چکے ہونگے۔ ناراضگی مزید گہری ہو گئی ہو گی اپنی ناک کو تو وہ کبھی نیچے نہیں کرتا تھا۔ وہ سوچتے ہوئے سبین کے پاس بیٹھ گئی تھی۔ سبین اسے دیکھ کر مسکرا دی تھی۔ کھانے کی میز پہ بھی وہ بس ان سب کو مفہوم دیتی رہی تھی۔ اور اب بھی وہ گم صم بیٹھی تھی۔

"اسراء بیٹی کیا کرتی ہے آج کل"۔

"کچھ بھی نہیں، یونیورسٹی جاتی ہے بس، گھر کا کوئی کام کاج کرنے کا کہاں کوئی شوق ہے ہماری اسراء کو"۔ نسرین تائی نے کوثر (آرزو کی ممانی) کی بات کا جواب دیا تھا۔

کائنات نے اس دن سر سے دوپٹہ اتار رکھا تھا کیونکہ اس کی شادی ہو گئی تھی اور اب وہ فرقان صاحب کے بنائے گے اصولوں سے آزاد تھی۔ آرزو نے ویسے ہی ریشمی سا دوپٹہ سر پہ سجا رکھا تھا۔ وہ ویسے ہی تھی ان ساری فارملٹیز سے بے نیاز۔

"یونیورسٹی تو اب ختم ہونے والی ہے اس کی ایک دو مہینے میں"۔ کوثر نے مزید تبصرا کیا تھا۔

"جی ہیں ابھی تین چار مہینے ابھی"۔ سبین نے اس کے ملائی جیسے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ سبین کو جیسے اسے ہی دیکھ کر جینا آتا تھا۔

وہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے ناجانے کہاں کھوئی تھی۔ناجانے کن خیالوں میں کھوئی بیٹھی تھی۔

"آگے کیا کرنے کا ارادہ ہے آپ کا"۔ کوثر نے اس سے پوچھا تھا مگر وہ کہاں ان کی باتیں سن رہی تھی۔وہ جیسے اس فانی دنیا سے کہیں اور ہی گم بیٹھی تھی۔

سبین نے اسے کے ہاتھ کو لمسا تھا جبھی اس نے اپنے مقام کو پہچانا تھا۔"آنٹی پوچھ رہی ہیں،بی ایس کے بعد کیا کرنے کا ارادہ ہے اپ کا"۔اس نے آنکھیں جھمکاتے ہوئے سبین کے سوال کو سنا تھا۔

"ایم فل"۔اس نے سر کو جنبش دیتے ہوئے جواب دیا تھا۔ آرزو مسلسل سب سے بے نیاز موبائل میں کچھ ٹٹول رہی تھی۔اس کے ساتھ بیٹھی کائنات موبائل کی اسکرین کو دیکھتے ہوئے شاید کوئی مشورہ دے رہی تھی۔

"ہاہاہا، بھئی سبین اس کی شادی کا سوچو اب، آرزو اور یہ ہم عمر ہی تو ہیں"۔ کوثر نے ہنستے ہوئے فتوا دیا تھا۔سارہ اور سبین نے بیک وقت ایک دوسرے کو دیکھا تھا اور پھر اسے۔

"اس حقیقت کو تو ہم چاہ کر بھی نہیں بدل سکتے، بیٹیوں کی شادیاں تو کرنی ہی ہوتی ہیں، بس ذرہ اپنے شوق پورے کر لے"۔

مہتاب نے ناگواری سے نگاہ پورے لاونج میں دوڑائی تھی۔

"آرزو کی تو آج میں منگنی کی ڈیٹ لے کر ہی جاؤں گی، اسی لیے تو آج میں آئی ہوں"۔ کوثر نے پُرجوش انداز میں کہا تھا۔ مراد نے شرماتے ہوئے گردن جھکا دی تھی۔ آرزو نے ماتھے پہ بل چڑھاتے ہوئے کوثر کے متبسم چہرے کو دیکھا تھا۔ اسراء کے وجود میں خوشی کی کئی لہرایں اٹھی تھیں۔ باقی سب حیران ہوئے تھے۔

"بالکل میری اس کے بابا سے بھی بات ہو گئی تھی، آپ جو چاہے مناسب سا دن بتا دیں"۔ مہتاب جیسے پہلے سے ہی تیاری کر کے بیٹھی تھی۔

"مطلب آرزو کی شادی ہونے والی ہے، آہ مائی گاڈ"۔ وہ چہکتے ہوئے بولی تھی۔ پل بھر میں سارے غم جیسے ڈھیر ہو گے تھے اور وہ سب سے بے نیاز۔ سب نے عجیب نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ خاموشی سے جذبات قابوں کرتے ہوئے نشست پر بیٹھ گئی تھی۔ پر لبوں ہر سے ہنسی اس کے نہیں تھم سکتی تھی نہ تھمی تھی۔

"ہاں ہاں، رشتے کی بات تو کائنات کی شادی میں ہی طے کر لی تھی، بس اب منگنی کر لیتے ہیں، اور پھر آرزو کے ماسٹرس کمپلیٹ کرتے ہی شادی، کیا خیال ہے"۔ کوثر نے جیسے سب کچھ طے کر لیا تھا۔ مہتاب ہاں میں ہاں ملاتی گئی تھی۔

آرزو تیوری چڑھاتے ہوئے مہتاب کی شکل دیکھ رہی تھی۔وہ مطمئن تھیں تو گویا اس کی شادی میں اس کی مرضی کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔"ٹوں ٹوں"۔اس کی میسج ٹون بجی تھی۔اس نے لپک کر فون کی اسکرین کو دیکھا تھا۔" یہ کیا ہے"۔آرزو یکدم سے جیسے چلائی تھی۔اسراء جو سبین سے گویا تھی چونک کر اسے دیکھا تھا۔باقی سب بھی حیران ہوئے۔

وہ صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔" یہ تو اسراء ہے، لیکن یہ آدمی کون ہے"۔اس نے ایک بار یقین کرنے کے لیے دوبارہ وڈیو چلایا تھا۔"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میری کزن کو ہاتھ لگانے کی، ازلان چلو۔۔۔۔"۔اسراء ان جملوں کو پہچان گئی تھی۔یہ وہی الفاظ تھے وہی انداز تھا جو اس دن مال میں اس نے اس آدمی کو کہا تھا۔اور یہ وہ جملہ تھا جو ازلان نے ادا کیا تھا۔وہ وڈیو میں کس نے ریکارڈ کر لیا تھا۔وہ بھی صوفے سے اٹھی تھی۔باقی سب بھی کھڑے ہو گئے تھے۔اسراء کی آنکھیں بھرنے لگیں تھیں۔

"دکھاؤ مجھے"۔مہتاب نے آرزو سے موبائل جھپٹا تھا۔ان کا منہ کھولا کا کھولا رہ گیا تھا۔"دیکھو، دیکھو اپنی بیٹی کے کرتوت"۔مہتاب تائی نے موبائل کی اسکرین سبین کی طرف کر دی تھی۔سبین کی آنکھوں میں حیرانی اور پھر پانی امنڈا تھا۔اسراء نے التجائی نگاہوں سے سبین کو دیکھا تھا سبین اسے دیکھ بھی نہیں پائی تھی۔اب موبائل سارہ کے ہاتھ میں تھا اور پھر باری باری سب کے ہاتھ میں گیا تھا۔محسن، راحیل۔فرقان، مراد، عبید اور یعقوب اور محمود کے ہاتھ میں بھی۔تھوڑی ہی دیر میں اسراء اپنے آپ کو کٹہرے میں کھڑا محسوس کرنے لگی تھی۔

"دیکھ لیا آپ لوگوں نے، تم یہ سب کرتی رہی ہو اسلام آباد میں، اور پھر ہمت دیکھو صاحبزادی کی، گھر میں کسی کو بھنک تک بھی نہیں پڑنے دی معاملے کی"۔ مہتاب دونوں ہاتھوں سے آج اس پہ چڑھائی کر رہی تھی۔ آج ان کے ہاتھ میں بھی موقع تھا۔ آرزو معصومیت سے تماشا دیکھ رہی تھی۔

"اسراء بیٹا، یہ کیا ہے"۔ سبین اس کی ٹھوری کو نرمی سے اٹھایا تھا۔ وہ اب بھی نرم ہی تھیں۔ اسراء کا چہرا آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔ گردن جھک چکی تھی، نگاہیں نیچی تھیں شاید ان میں لوگوں کا سامنا کرنے کی ہمت ہی نہیں تھی۔ پل بھر میں سب کچھ جیسے ماتم بن گیا تھا۔ ہر کوئی اس سے سوال کر رہا تھا۔ حساب چاہتا تھا۔ پر وہ جواب کہاں سے لاتی۔ الفاظ کہاں سے ڈھونڈتی۔

"ماما، وہ، وہ۔۔ میں۔۔۔۔"۔ اس کی حلق سے بمشکل آواز نکلی تھی۔

"ارے وہ وہ کیا، ہمارے خاندان کی عزت داغ دار کر دی ہے تم نے، پنچ خون ہے نار گوں میں، رنگ تو دکھائے گا ہی نا"۔ مہتاب نے بازو سے جھپٹ کر اسے دھتکارہ تھا۔ وہ وسط میں رکھے ٹیبل سے ٹکرای تھی۔ اس کے گھٹنا ٹیبل سے ٹکرایا تھا اس کی حلق سے کراہ نکلی تھی۔

"بس بھابھی۔۔۔۔"۔ یعقوب یکدم دھاڑتا ہوا اس کے قریب آیا تھا۔ اس نے مدہم سی گردن اٹھا کر یعقوب کی تڑپتی نگاہوں کو دیکھا تھا۔ لمبے کالے بال فرش کو چھونے لگے تھے۔ وہ ہتھیلی کی پشت سے آنسو رگڑتے ہوئے لنگڑاتے ہوئے مجمعے سے نکلی تھی، اس کے گھٹنے میں میز کا کونا لگ گیا تھا۔ وہ مزید وہاں نہیں رک سکتی تھی۔ ان کا

سامنا نہیں کر سکتی تھی۔اس نے غلطی کی تھی پر خمیازہ بھگتنے کا حوصلہ اس میں نہیں تھا۔سب یک ٹک سبین کی شکل کو دیکھنے لگے تھے آخر تربیت تو اسی کی ہی تھی۔اور بیٹی میں جب کوئی عیب نکلے تو سب سے پہلی انگلی ماں پہ ہی اٹھتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆ "اسلام آباد ہوتا ہوں تو آپ سے اپنے سارے سوالوں کے جواب لے لیتا ہوں، ساری الجھنے سلجھا لیتا ہوں، آج یہاں کراچی میں آپ کو بہت یاد کر رہا ہوں"۔وہ بیڈ پہ سیدھا لیٹے فون کان سے لگائے کہہ رہا تھا۔

"اب تو ٹیکنالوجی کا دور ہے، لوگ دور ہو کر بھی اب تو بہت پاس ہیں اس فون کی وجہ سے، تم بھی اس کا فائدہ اٹھاؤ"۔دوسری طرف سے اسی نرم اور متبسم انداز میں سرو قاص نے جواب دیا تھا۔عشاہ کی نماز کے بعد اس نے انھیں کال کی تھی۔

"سر ہمارا اللہ تو ہم سے بہت محبت کرتا ہے، انسان کیوں نہیں کرتے"۔اس نے بے تاثر لہجے میں کہا تھا۔

"اللہ نے ہر انسان میں ایک حد تک محبت کے جذبات رکھے ہیں، انسان بھی کرتے ہیں"۔وہ اسی طرح سے بولے تھے۔

"نہیں کرتے، ورنہ وہ بھی کرتی"۔اس نے نہایت دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

"وہ بھی کرتی ہے، ہو سکتا ہے کبھی تمہیں نظر نہ آئے، آنا اور میں انسان کو کہاں کچھ نظر آنے دیتی ہے"۔ وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ وہ یکدم اٹھ کے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھ گیا تھا۔

"آنا۔۔۔"۔ وہ صرف اتنا ہی کہہ سکا تھا۔

" ہاں آنا وہ جو رشتوں کو کھوکھلا کر دیتی ہے"۔

وہ خاموش ہو کر رہ گیا تھا۔

" بیٹا رشتے بہت خوبصورت ہوتے ہیں، اور ان میں محبت بھی ہوتی ہے، لیکن ان میں محبت سے زیادہ ضروری مان، عزت اور ایک دوسرے کا احساس ہونا چاہیے، کبھی کبھار بہت چھوٹی سی رنجش بھی بہت بڑے فساد کی جڑ بن سکتی ہے، ہو سکتا ہے کوئی آپ سے بہت چھوٹی سی فرمائش بڑے مان سے کر رہا ہو، ہو سکتا ہے وہ آپ کی عزت برقرار رکھنے کے لیے کوئی فعل کر رہا ہو، بیٹا بدگمانی بُری شے ہے اسے اپنے دل میں جگہ نہیں دینی چاہیے"۔

"اور اگر اسی سیم ٹائم میں آپ بھی اس سے کوئی فرمائش کر دیں تو، تو کیا اُسے ماننی نہیں چاہیے"۔ وہ نروٹھی ادا سے بولا تھا۔

"کرنی چاہیے، اُسے بھی کرنی چاہیے"۔ وہ مسکراتے ہوئے بولے تھے۔

"پر وہ تو میری کبھی کوئی فرمائش پوری نہیں کرتی، اُسے ہمیشہ مجھ پر اپنے باپ اور بھائی زیادہ محترم ہوتے ہیں، وہ انھیں زیادہ مقدم رکھتی ہے "۔اس نے کہتے ہوئے آنکھیں موند لی تھیں۔

"کیوں۔۔۔؟"۔ سرو قاص نے اپنا سوال سامنے رکھ دیا تھا۔

اس کی آنکھیں یکدم کھولی تھیں۔"پتہ نہیں"۔وہ کچھ الجھا تھا۔

"کیونکہ ان کے رشتے میں یقین ہے، مان ہے، احساس ہے، وہ جو اپنے بھائیوں کو ہمیشہ مقدم رکھتی ہے اس کے بھائی بھی، اُسے کبھی خود سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں کرتے"۔

ازلان کے ماتھے پہ بل ابھرے تھے۔

"جس باپ کا وہ ہر وقت دم بھرتی ہے، وہ بھی اُس کے بغیر سانس نہیں لیتے"۔

اس نے فون بیڈ پر رکھ کر اسپیکر پہ لگا دیا تھا۔

"وہ سب اُسے مان دیتے ہیں، اور وہ اُنھیں اہمیت عزت ترجیح، ہر رشتہ ہم سے یہ ہی ڈیمانڈ کرتا ہے ہم سامنے والے کو اگر مان دیں گے تب ہی وہ ہمیں اہمیت دے گا"۔وہ خود کو ایک آئینے میں دیکھنے لگا تھا۔یہی سب تو وہ کبھی اسراء کو دے نہیں سکا تھا۔وہ اس کی عزت بھی کرتا تھا، محبت بھی کرتا تھا، بس وہ یقین اور مان تھا جو وہ اسراء یعقوب کو ابھی نہیں دے سکا تھا۔

"وہ آج مجھے ماموں نے بلایا تھا کھانے پہ، لیکن انھوں نے کہا کہ اسامہ نہیں آسکتا اس لیے میں بھی نہیں گیا، اور اس نے مجھے چھوڑ کر اپنے گھر والوں کا ساتھ دیا"۔ وہ خود ہی دھیمی آواز میں بتانے لگا تھا۔ وہ آج اداس تھا واقع بہت اداس۔۔۔۔

"تو کیا ہوا، یہ تو اس کی سمجھداری ہے، وہ اس سے بڑے ہیں وہ ان کی عزت کرتی ہے، اور ان کے احترام میں خاموش رہی، وہ سمجھدار ہے، تم نے مجھے بتایا تھا نا اس کا ایک رشتہ آیا تھا۔۔۔۔۔ کیا کیا اس نے"۔ سرو قاص استزائیہ انداز میں بولے تھے۔

"حارث کا، انکار کر دیا اس نے"۔ اس نے کہا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا وقاص سر اس سے یہ سوال کیوں پوچھ رہے ہیں ۔ وہ بیڈ کی چادر سے دھاگے کھینچنے کی سعی کرنے لگا تھا لیکن دھاگے ایک دوسرے سے باریک بینی سے جکڑے ہوئے اب تک اس کے ہاتھ میں ایک بھی نہیں آیا تھا۔

"یہ ہے وہ، جب تمہاری وفاداری پہ حرف کی بات آئی تو اس نے تمہیں چنا، سب کے خلاف، اور جب اس کی تہذیب و تربیت کی بات آئی تو اس نے احترام چُنا"۔

"اتنی سمجھدار نہیں ہے وہ، اسے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ کون اس کے ساتھ مخلص ہے اور کون مفادی، بہت معصوم ہے"۔ وہ ایک لمحے کے توقف کے بعد بولا تھا اور قہقہ لگا کے ہنسا تھا اور پھر ہنستا ہی گیا تھا۔

"ہو سکتا ہے، لیکن ہم کسی کے سینوں کا حال نہیں جانتے، ہو سکتا ہے وہ درست فیصلے نہ کر سکتی اس میں کمی ہو اس بات کی، لیکن اس میں بہت سی اچھایاں بھی ہیں، وہ ایک اعلیٰ اخلاق کی عورت ہے، ایک نماز اور دیندار انسان بھی دوسروں کا دل نہیں جیت سکتا جتنی جلدی اعلیٰ اخلاق کے لوگ دوسروں کے دل میں گھر کرتے ہیں، اگر تمہیں بُرا لگا تھا تم جاتے، اور اپنی بھراس پھر کسی لمحے نکال لیتے، اسطرح اسے بُرا بھی نہ لگتا اور تمہارے ماموں بھی خوش ہو جاتے اور یقیناً تم بھی، رشتوں کو خوشگوار بنانے کے لیے صرف ہمیں جھکنا ہی تو ہوتا ہے"۔ سرو قاص کہہ رہے تھے اور ایک ایک لفظ جیسے اس کے دل کے فرش کو چھو رہا تھا۔ اس کے سارے سوال جیسے ختم ہو گے تھے۔ وہ ناچاہتے ہوئے بھی خود کا محاسبہ کرنے لگا تھا۔ بڑے بڑے دعوے کرنے والا ایک بار اس کے لیے جھک بھی نہ سکا۔ "ایسا ہی تو کرتے ہیں ہم۔ صرف دوسروں کو کوستے ہیں، دوسروں کو کھوجتے ہیں، کوشش کرتے ہیں کہ صرف دوسرا ہمارے سامنے جھکے ہم نہیں، اور اسی بحث میں ہماری زندگی گزر جاتی ہے۔ ہم صرف دوسروں کو غلط کہتے ہیں خود پہ کبھی غور نہیں کرتے۔ کبھی بھی اور ساری زندگی دوسروں کو غلط کہتے ہوئے ہی گزار دیتے ہیں رنجشوں، اور غلط فہمیوں میں۔۔۔۔۔ "وہ خود سے سوچنے لگا تھا۔

"اور ایک بات، ہو سکتا ہے پہلی نظر میں تمہیں نظر آنے والی اسراء یعقوب صرف ایک دھوکہ ہو، اور آگے اپنی زندگی میں وہ تمہیں حیران کر دے"۔ وہ کہتے ہوئے قہقہ لگا کے ہنسے تھے جبکہ ازلان الجھ سا گیا تھا۔ اسراء اس کے لیے کھولی کتاب تھی وہ اسے کیسے حیران کر سکتی تھی۔ وہ نرم و نازک ایک لڑکی تھی، جو کسی کی آواز پہ بھی ڈر جاتی

تھی، جسے اندھیرے میں نیند نہیں آتی تھی، جس پہ مصیبت بعد میں ٹوٹتی تھی آنکھوں سے آنسوں پہلے گرنے لگتے تھے۔۔۔۔وہ مسکرا دیا تھا۔فون کی اسکرین جل کے بجی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ٹوں ٹوں۔۔۔۔۔۔"موبائل ٹون بجی تھی۔اس نے اسی طرح فرش پہ بیٹھے فون اٹھایا تھا۔ہچکیوں کی آواز یکدم بند ہو گئی تھی۔اس کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔چاند کھڑکی سے اپنا عکس کمرے کو دکھا رہا تھا۔آسمان سے تارے کہیں غائب تھے صرف چاند تن تنہا اس پہ ڈیرا جمائے بیٹھا تھا۔وہ بیڈ کی پائنتی سے پشت ٹکائے بیٹھی تھی۔

"اسلام علیکم۔۔۔۔۔"نرم خفیف آواز کو وہ ایک ہی آن میں پہچان گئی تھی۔

"تم نے آج اپنا بدلہ لے لیا"۔وہ اسی طرح برائی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

"تم نے آج اپنا بدلہ لے لیا، آخر آج تم نے بھی اسی طرح میرے، میرے منہ پہ تھپڑ مار ہی لیا جس طرح میں نے کبھی تمہارے مارا تھا"۔وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

"غلطی ہو گئی مجھ سے، مجھے تمہارا فون ہی نہیں اٹھانا چاہیے تھا، غلطی ہو گئی، مجھ سے بہت بڑی غلطی"۔اس نے کہتے ہوئے سر گھٹنوں میں دے لیا تھا۔

"مس اسراء آپ رو رہی ہیں "۔وہ بے تاثر آواز میں بولا تھا۔

"تم نے اچھا نہیں کیا"۔وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔اس کی ہچکیوں کی آوازیں اسکرین کے اس پار بولنے والے نے بھی سنی تھیں۔

"میں، میں نے کیا کیا ہے، آپ کیا کہہ رہی ہیں"۔

"تم نے اس دن اس آدمی کو مال میں بھیجا تھا، وڈیو بھی تم نے ہی بنوایا، تم نے مجھے رسوا کر دیا، کسی سے نظریں ملانے کے قابل نہیں چھوڑا، جس عزت کے لیے میں نے تمہیں تھپڑ مارا تھا، تم نے، تم نے طمانچہ بنا کے میرے منہ پہ دے مارا ہے، تمہیں نہیں کرنا چاہیے تھا کیا ملا تمہیں یہ سب کر کے "۔وہ گھٹنوں میں سر دیے بول رہی تھی۔

"کون آدمی، میں نے کسی آدمی کو نہیں بھیجا، اور نہ میں نے کوئی وڈیو بنوایا"۔وہ جیسے خود کا دفع کر رہا تھا۔

"تم نے بھیجا تھا، صرف تم ہی کر سکتے ہو، میں نے تمہیں تھپڑ مارا تھا نا تو تم نے اپنا بدلہ لے لیا۔۔۔"وہ غراتے ہوئے بولی تھی۔وہ اس کے سامنے جیسے بکھر گئی تھی۔بکھر تو سب کے سامنے گئی تھی۔

"میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں"۔وہ اس سے التجا کر رہا تھا۔

"دعا نے مجھے کہا تھا، تم کچھ الٹا کرو گے، میں نے کیوں اس کی نہیں سنی، آئندہ مجھے فون مت کرنا، مقصد پورا ہو گیا نا تمہارا، اور نہ کبھی کسی لڑکی کی عزت کو داغ دار کرنا، بہت سے لوگوں کے مان اس پر سے ٹوٹ جاتے ہیں"۔ وہ اسی طرح سے رو رہی تھی۔

"لیکن میں نے۔۔۔۔۔"۔

"پلیز۔۔۔۔پلیز"۔

فون کی اسکرین جل کے بجی تھی۔ وہ اسی طرح گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ کمرے میں بجائے اس کی سسکیوں کے کوئی آواز نہ تھی۔ ہلکی سی گرد میں لٹا قرآن مجید الماری ویسے ہی خاموش جیسے اسے دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ بیڈ پر کروٹ لیے بازو سر پہ دھرے لیٹی تھی، وال کلاک پہ بارہ بج چکے تھے جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تھی اور اسے سوتا دیکھ کر مسکرا دی تھی۔

"اللہ تمہاری حفاظت کرے میری بچی، تمہیں ہر اُس آزمائش سے دور رکھے جو اس نے، یعقوب کے نام سے منسوب کر کے تمہارے حصے میں لکھ دی ہیں"۔ نازنین نے کہتے ہوئے اس کے سر کو چوما تھا اور پھر بنا اسے جگائے خاموشی سے دروازہ بند کر کے چلی گئی تھی، لیمپ ویسے ہی روشن تھا۔

اس نے بھیگی نگاہوں سے چہرے سے بازو ہٹا کر اپنی ماں کی پشت کو دیکھا تھا۔وہ آج بھی اس سے ناراض نہیں ہوئی تھی۔نازنین اسراء یعقوب سے کبھی منہ پھیر ہی نہیں سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ صبح ہوتے ہی فرقان کے گھر پہنچا تھا۔رات کو جو غلطی اس سے ہوئی تھی اس کو سدھارنے کے لیے۔فرقان نے گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا تھا۔

" کل میں آنا چاہتا تھا لیکن لاسٹ مومنٹ میں نہیں آسکا"۔رسمی سلیک علیک کے بعد اس نے مختصر وضاحت دی تھی۔

"چلو کوئی بات نہیں،اب آگئے ہو تو،ناشتہ تو کرو گے نا"۔فرقان نے زیادہ کریداہ نہیں تھا۔وہ بھی اب بھنجے سے تعلقات استوار کرنا چاہتا تھا۔اس نے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔گھر کے دو پورشن،یقیناً اوپر والے شفیق صاحب رہتے ہونگے۔اس نے اندازہ لگایا تھا۔لیکن یعقوب صاحب پھر کیوں دوسرے گھر میں رہتے ہیں وہ بھی ان کے ساتھ ہی رہتے،تین پورشن بنا لیتے۔اس نے سوچا تھا۔

"بیٹھو۔۔۔"۔فرقان نے کرسی پیچھے کی تھی۔وہ بیٹھ گیا تھا۔"جاؤ اپنے چچا کو بلا لاؤ اوپر سے بولو،ازلان بھائی آئے ہیں"۔یعقوب نے آرزو سے کہا تھا۔آرزو نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر گئی

تھی تو اس نے سہی سوچا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد شفیق صاحب ان کی مسز نسرین سیڑھیاں اترتے دکھائی دیے تھے۔ وہ مصنوعی مسکراہٹ چہرے پہ لیے ان سے ملا تھا۔ وہ بھی ان کے ساتھ ہی ناشتہ کرنے لگے تھے۔ محسن اس کے برابر والی کرسی پہ براجمان ہوا تھا۔

" اب تو تمہارا بزنس خوب چلتا ہے، تمہارے پروڈکٹس کی تو بہت ڈیمنڈ ہے آج کل"۔ فرقان نے فخریہ انداز میں کہا تھا۔

"جی ماشااللہ"۔ اس نے جوس کا گلاس منہ سے لگا لیا تھا۔

"نازنین کیسی ہے، اسے بھی لے آتے، ایک عرصہ بیت گیا اسے دیکھے ہوئے"۔ شفیق صاحب نے بریڈ کی سلائس منہ سے کاٹتے ہوئے کہا تھا۔ ایک کٹ از لان کے دل پہ بھی لگا تھا۔

"جی ضرور، اگلی دفعہ جب آوں گا تو لے کر آوں گا، اس بار میں نے سوچا پہلے خود جا کر دیکھ لوں ان کے لیے تینوں بھائیوں کے درمیان جگہ ہے بھی کہ نہیں"۔ وہ کہے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اپنی ماں کو وہ ہر وقت ان کے لیے تڑپتا ہوا دیکھتا تھا اور برسوں پہلے انھوں نے کسی پُرانی خراب کی چیز کی طرح اسے اپنی زندگیوں سے نکال دیا تھا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو، وہ ہماری اکلوتی بہن ہے، ہمارے دلوں سے اس کا پیار کبھی نہیں مٹ سکتا"۔ فرقان نے جیسے بات سنبھالی تھی۔ اگر یہ ہی بات وہ ایک سال پہلے کرتا تو شاید فرقان اس طرح اس کو کور نہیں کرتے لیکن پیسے کی پالش انسان کو اہم بنا دیتی ہے قیمتی کر دیتی ہے، اسے بھی اہم بنا دیا تھا۔

"ویسے ازلان کا گھر بھی کافی بڑا ہے، وسیع پارک ہے، فرنٹ دیوار تو پوری گلاس کی ہے، پھوپھو تو بادشاہوں والی زندگی گزار رہی ہیں"۔ محسن نے مداخلت کی تھی۔ پہلے ہی جملے پہ ازلان کو زہر چڑھنے لگا تھا۔

"کل ایونٹ کیسا رہا"۔ اس نے پہلو بدلا تھا۔

"ایونٹ، کیا خاک ایونٹ"۔ مہتاب بے اعتنائی سے بولی تھی۔ اس کا پارا ابھی تک ہائے تھا۔ کل اس کی بیٹی کا منگنی کا دن طے ہونا تھا اور وہاں بھی اس منہوس اسراء نے رنگ میں بنگ ڈال دیا تھا۔ سو ان کا یہ رد عمل تو فطری تھا۔ ازلان کے ماتھے کی تیوری چڑھی تھی۔

"کل سب لوگ اکٹھا ہوئے تھے، کہ چلو بندہ مل بیٹھتا ہے، لیکن اسراء کی وڈیو نے ہر چیز پہ پانی پھیر دیا، وہ لڑکی تو کوئی خوشی پوری رہنے دیتی ہی نہیں"۔ مہتاب نے کہتے ہوئے جوس کا سپ لیا تھا۔ ازلان کو سمجھ نہیں آیا تھا کونسا وڈیو۔ اس نے الجھی ہوئی نگاہ مہتاب پہ ڈالی تھی۔

آرزو چائے کا سپ لیتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

"وہ مال میں اسراء کے ساتھ جس لڑکے نے بدتمیزی کی تھی، وہ وڈیو وائرل ہو گیا ہے، سب نے دیکھا تھا، یعقوب چچا نے بھی"۔ آرزو نے مطمئن انداز میں جواب دیا تھا۔ آخری جملہ کچھ جتلا کر بولا گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ پہ تڑپ کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دروازہ آدھ کھولا بند تھا۔ وہ اس میں صرف اس کی پشت کو دیکھ سکتا تھا۔ کھولے کالے سیلکی بال کولہوں کو چھوتے ہلارے لے رہے تھے۔ وہ سٹڈی ٹیبل سے کتابیں اٹھا اٹھا کر بیڈ پر پٹک رہی تھی۔ شاید کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔ اس نے ڈورناب سے دروازے کو دھکیلا تھا دراوزہ کھلتا چلا گیا تھا۔ وہ نرم قدموں سے بنا اہٹ کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ وہ اپنے آپ میں مگن کتابوں کو ٹیبل سے بیڈ پہ پٹکتی جا رہی تھی اور آخر تھک کر کرسی پہ بیٹھ کر ماتھے پہ مکے مارنے لگی تھی۔ اس کا سر یقیناً درد سے پھٹ رہا تھا۔ اسنے سوچ لیا تھا۔

"تھک گئی"۔ وہ اس کے سامنے آ کر بولا تھا۔

اس نے یکدم موندیں آنکھیں کھولی تھیں۔ وہ اس کے سامنے تھا۔ اس کے زخم سے پھر سے خون رسنے لگا تھا۔ آنکھیں ایک بار پھر بھر آئی تھیں۔ ایک لمحے کے لیے اس کا دل سب کو کچھ اپنے شوہر سے کہہ دینے کو چاہا تھا پر وہ احساس صرف ایک لمحے کے لیے تھا۔ آن کی آن اس کے دماغ نے اسے یاد دلا دیا تھا کہ وہ اس کا شوہر نہیں پھوپھو کا بیٹا ہے جس کی ایک آدھ منگیتر بھی ہے۔

"تم کل تو آئے نہیں، آج کیسے تشریف لے آئے"۔ وہ بدلحاظی سے کہتے ہوئے کرسی سے اٹھی تھی اور بیڈ پہ جا بیٹھی تھی۔ اس کی آواز بھاری تھی۔ آنکھیں ابھی تک ریڈ تھیں چہرا سوجھا ہوا تھا۔ ہونٹوں سے ماس ابھرا ہوا تھا۔ وہ یقیناً رات بڑھ روتی رہی تھی۔ اور ایک ہی رات میں اس کا یہ حال ہو گیا تھا۔

"تم رات بڑھ روتی رہی ہو"۔وہ سامنے والے صوفے پہ بیٹھے اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔اسراء نے نگاہیں چرا لیں تھیں۔

"کیوں۔۔۔۔۔؟"جواب وہ سمجھ گیا تھا اس لیے اگلا سوال اس کے سامنے رکھا تھا۔

"وہ وڈیو وئرل ہو گیا تھا میرا ایک،بس اسی لیے"۔وہ کہتے ہوئے بیڈ پہ جا بیٹھی تھی۔

"تمہیں یعقوب ماموں نے کچھ کہا"۔وہ سامنے صوفے پہ بیٹھا تھا۔

" وہ مجھے کبھی کچھ نہیں کہتے"۔وہ تلخی سے مسکرائی تھی۔

"شاید ہی کبھی کسی نے کسی سے اتنی محبت کی ہو گی،جتنی بابا جان مجھ سے کرتے ہیں،وہ مجھ پہ غصہ نہیں کرتے،مجھے کچھ کہتے ہی نہیں کیوں"۔اس کی آنکھ سے آنسو ٹپکا تھا۔

"اُن پہ اتنا یقین مت کرو،ٹوٹ جاؤ گی جب یہ یقین ٹوٹے گا تو"۔اس نے خود سے کہا تھا پر وہ یہ بات ایک بیٹی کو کیسے سمجھاتا،کیسے بتاتا،کیسے اُس کے باپ سے بدزن کرتا،اُسے سانس لینے کے لیے اس کے باپ کی ضرورت ہوتی تھی،اسراء یعقوب کو صرف یعقوب کی ضرورت تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جاری ہے